Blue Band

طلبہ کے لئے منتخب تحریریں

ماہنامہ

انوکھی کہانیاں

کراچی

August 2003-Rs:15.00

DOLLAR Sketch Line
DOLLAR Sketch Line
DOLLAR Sketch Line
DOLLAR Sketch Line
itsurdublogspot.com

Summer time fun

بڑا مزہ
بڑی بچت

175 ML کی بوتل
صرف 5 روپے میں

آیا احمد

چٹنی چٹخارہ موسم!

PRODUCES TASTE AHMED PRE

گرمی ہو یا بارش برسے اور جی چاہے
کچھ کھٹا میٹھا چٹخارہ، تو لیجیے
احمد کی مینگو، آلو بخارا اور تورتن چٹنی۔
بدلتا موسم کا مزا...
احمد چٹنی کے ساتھ

Since 1958
AHMED
سنہ ۱۹۵۸

PLUM CHUTNEY

Real Relishing

احمد
... سب کچھ!

For Trade Enquiry: U.A.N. 111-987-789 Fax: (021) 2571896 Email: alfpklkh@cyber.net.pk Web site: www.ahmedfood.com.pk

itsurdu.blogspot.com

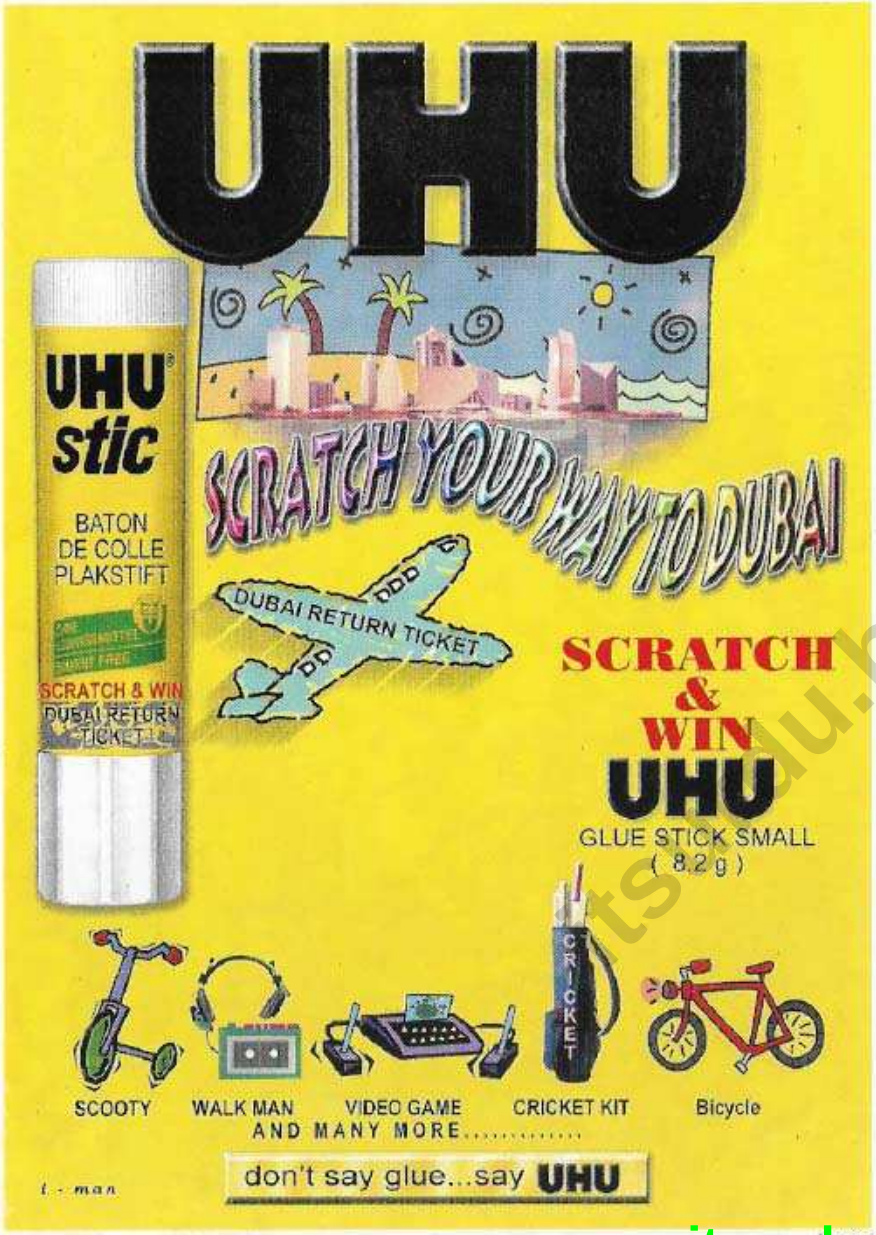

نئے دور کا مزہ - گوگو پان مصالحہ

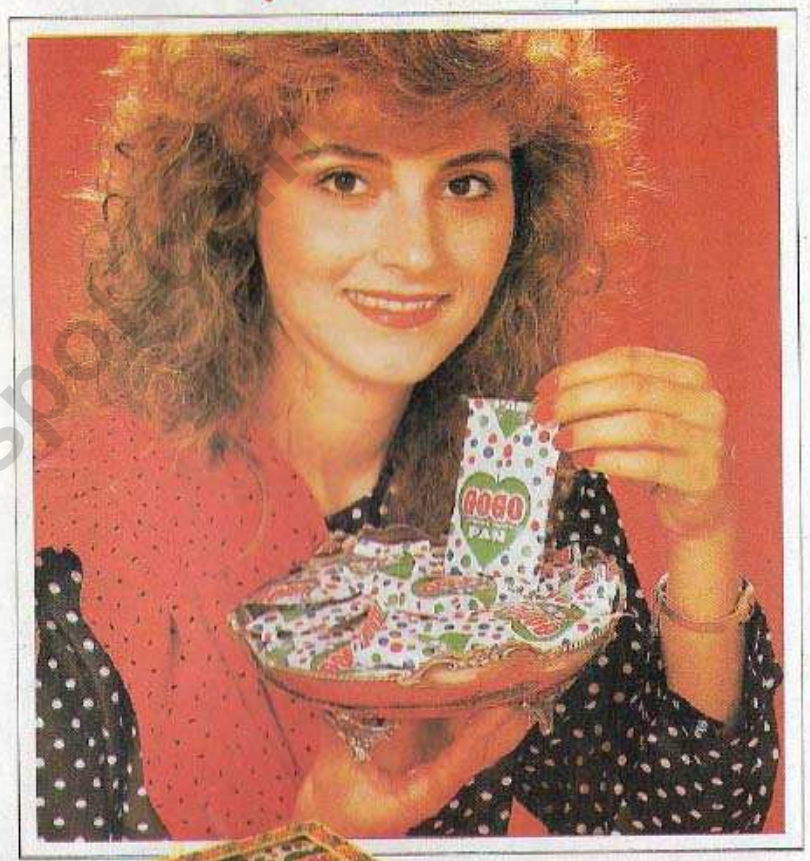

سونف، کھوپرے، تل اور زعفران سے بنا
صاف ستھرا، خوش ذائقہ
مقدار سب سے زیادہ - مزہ سب سے اعلیٰ

گوگو پان مصالحہ

گوگو پان مصالحہ کی کیا بات

شہزاد انڈسٹریز - کراچی

itsurdu.blogspot.com

Deer Excel

ڈیئر پینسل کا
انعامی مقابلہ

ڈیئر پینسل بنانے والے ادارے انڈس پینسل پرائیویٹ لیمیٹڈ اور ماہنامہ "انوکھی کہانیاں" کراچی کے اشتراک سے طالب علموں کی حوصلہ افزائی کے لیے معلوماتی انعامی مقابلہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس میں آپ تین سوالوں کے جواب دے کر ڈیئر پینسل کی مصنوعات کا خوبصورت گفٹ حاصل کر سکتے ہیں۔

چھ ساتھیوں کو ہر ماہ گفٹ
روانہ کیے جائیں گے

* کلیم اللہ کن کا خطاب ہے؟
* بت شکن کس پیغمبر کا لقب ہے؟
* لفظ آدم کے لغوی معنی بتایئے؟

پتہ: ڈیئر پینسل انعامی مقابلہ معرفت انوکھی کہانیاں پوسٹ بکس نمبر 4252 کراچی

Deer

47 سال

Website: http://www.indus-pencil.com

Noorani

Goldfish Executive

6000 No. 2 1/2
Superior Writing Pencil
(Easily erasable)

finger friendly grip

This wonderful writing instrument possesses:

- High quality eraser
- Smooth writing & extra point strength
- Finger-friendly comfortable grip
- Guaranteed quality & user satisfaction
- Conforms to the international standards of health & safety (ASTM D-4236 & EN71/BS 5665 Part 1-3)

SHAHSONS (PVT) LTD.
D/88, Manghopir Road, Karachi
Phone: (92-21) 2577382-86 (4 lines)
Fax: (92-21) 2561093, 2578776
E-Mail: goldfish@cyber.net.pk
Web: http://www.aainfotech.com/pencils

Noorani

itsurdu.blogspot.com

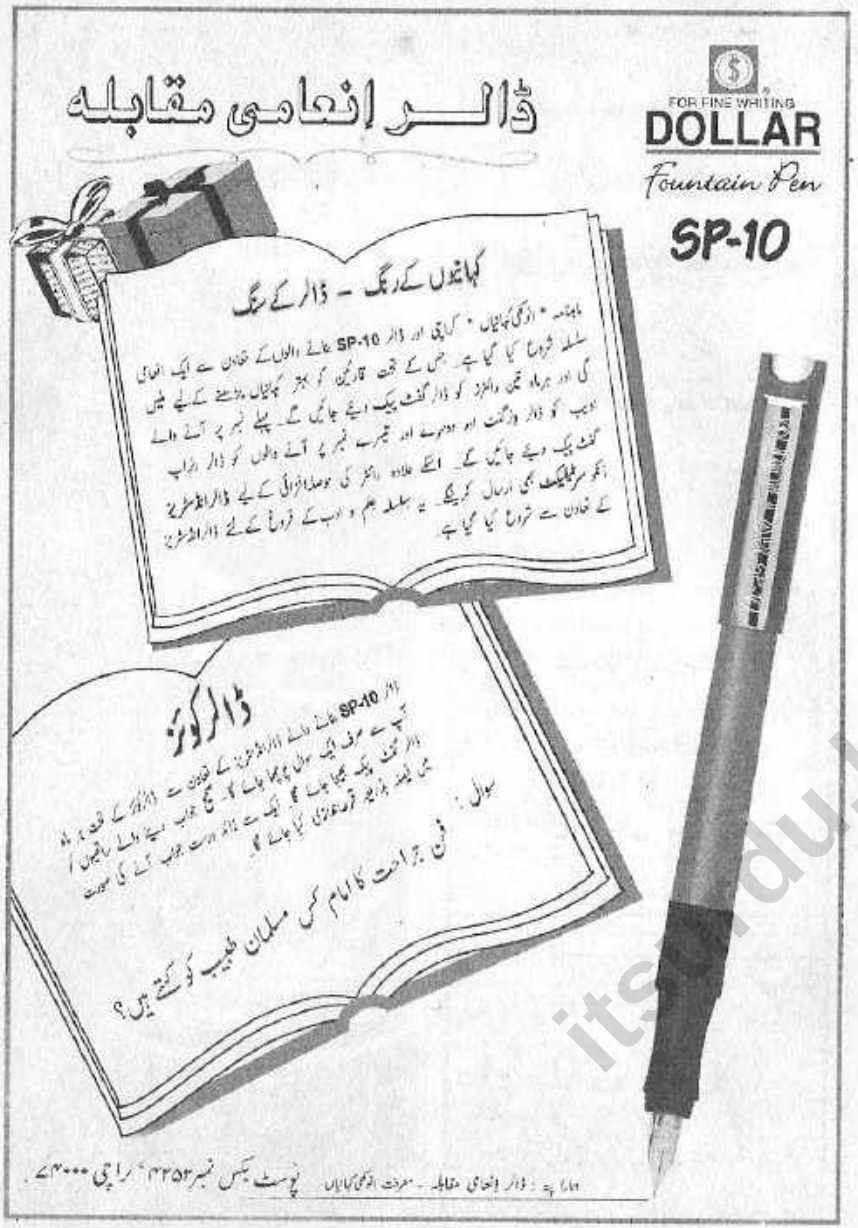
ڈالر انعامی مقابلہ
FOR FINE WRITING
DOLLAR
Fountain Pen
SP-10
کہانیوں کے رنگ - ڈالر کے سنگ
ڈالر کوئز
ہمارا پتہ : ڈالر انعامی مقابلہ - معرفت انوکھی کہانیاں پوسٹ بکس نمبر ۴۲۵۳ کراچی ۷۴۰۰۰

انعامی مقابلے

میرے پسندیدہ اشعار

قارئین کے پرزور اصرار پر میرے پسندیدہ اشعار کے عنوان سے ہم ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔ جس میں آپ اپنے پسندیدہ اشعار بھیج سکتے ہیں۔ سب سے بہترین شعر پر ایک ساتھی کو انوکھی کہانیاں تحفتاً بھیجا جائے گا۔ قارئین کم از کم تین اشعار ارسال کریں تاکہ انتخاب کرنے میں آسانی ہو۔

مجھے شکایت ہے

"مجھے شکایت ہے" کے تحت آپ کی شکایت انوکھی کہانیاں میں شائع کی جائیں گی۔ یہ شکایات آپ کو اپنے دوستوں، رشتہ دار، پڑوسیوں، اداروں سے ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم آپ کی شکایات کے منتظر ہیں۔

بلو بینڈ کوئز

بلو بینڈ ماحول بہتر بنانے والے ادارے بونی لیور پاکستان کے تعاون سے کوئز مقابلہ ایک سوال تین انعام کے تحت صرف ایک سوال پوچھا جا رہا ہے۔ صحیح جواب دینے والے تین ساتھیوں کو تازہ شمارہ تحفہ میں بھیجا جائے گا۔

سوال: دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما کون سا ہے؟

گوگو خصوصی مقابلہ

گوگو جاپانی صحافہ بنانے والے شہزادہ انڈسٹریز کی جانب سے ایک خصوصی انعامی مقابلہ کے تحت آج ایک سوال دے کر تحفہ حاصل کر سکتے ہیں۔ حل زائد ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جائے گا۔ تین ساتھیوں کو تازہ شمارہ بھیجا جائے گا۔

سوال: آلو یورپ میں کہاں سے برآمد ہوا؟

سطریں تلاش کیجیے

مندرجہ ذیل سطریں مختلف تحریروں سے منتخب کی گئی ہیں۔ آپ ان تحریروں کے عنوان اور صفحہ نمبر بتا کر انعام حاصل کر سکتے ہیں۔ صحیح جواب بھیجنے والے تین ساتھیوں کو تازہ شمارہ انعام میں دیا گیا۔

ہم جان لیتے ہیں کہ ہم کیا سن رہے ہیں — پیچھے مقصد صرف اتنا ہوتا ہے۔

ہمارا پتہ: انوکھی کہانیاں۔ پی او بکس نمبر 4252۔ کراچی 74000

itsurdu.blogspot.com

بچوں کے معروف شاعر

سید اشرف بیتھوی

کی خوبصورت نظموں کا

ایوارڈ یافتہ مجموعہ

"رنگ برنگ"

شائع ہوگیا ہے

"انوکھی کہانیاں" پڑھنے والے

بچے رعایتی قیمت پر

صرف =/30 روپے میں

"انوکھی کہانیاں" کے دفتر سے

منگوا سکتے ہیں۔

براہِ راست منگوانے کے لیے رابطہ کریں

الحسن اکیڈمی

45 پریس چیمبرز آئی آئی چندریگر روڈ

کراچی۔ فون: 2214000

انوکھی کہانیاں

مسلسل چار مرتبہ ایوارڈ یافتہ

ماہنامہ دنیائے اطفال و دوستان چلڈرن میگزین سوسائٹی

جلد نمبر 13 شمارہ نمبر 8 اگست 2003ء قیمت پندرہ روپے

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور یونیسیف پاکستان کی جانب سے مسلسل چار مرتبہ ایوارڈ یافتہ میگزین

بیاد

الٰہی بخش چشتی

مدیر: محبوب الٰہی مخمور

دریان اعزازی: شہاب الدین خان، موسیٰ رضا

ریزیڈنٹ ایڈیٹر لاہور / بزنس ایگزیکٹو

خرم لودھی

موبائل فون: 0333-4248474

ڈپٹی ریذیڈنٹ ایڈیٹر ۱۱: زبیر شریف

بزنس منیجر کراچی: انعام الٰہی عارف

نمائندہ خصوصی فیصل آباد: شمس الحق

رجسٹرڈ کوریئر خطوط کے پتہ: R-95 سیکٹر 15-B بفرزون، نارتھ کراچی

فون نمبر: 0333-2172372

قیمت ۱۵ روپے
سالانہ چندہ رجسٹرڈ ڈاک
۳۰۰ روپے

خط و کتابت کا پتا: سی پی او بکس نمبر 4252 کراچی 74000

مجلس مشاورت

پروفیسر سحر انصاری

سید رفیع الزماں

شیخ منظر عالم

سید قمر عباس

مصطفیٰ ہاشمی

ظفر احمد خان

ایس ایم شجاع

پرنٹ: مصطفیٰ چاند نے تعمیر وطن اکیڈمی کے زیر اہتمام فضلی سنز پرنٹرز پرنٹ لمیٹڈ سے چھپوا کر ــــــــ شائع کیا

itsurdu.blogspot.com

حسن ترتیب

اداریہ	محبوب الٰہی مخمور	9
اے خدا	اعظم سکندر	10
نعت	سید اشرف بیتھوی	11
عظمت کے مینار	آصف جاوید نقوی	12
نغمہ آزادی	تنویر پھول	18
عزم نو	محمد عرفان رامے	21
انوکھی کامیابی	جدون ادیب	27
خوشی کا زہر	متین الرحمان مرتضیٰ	37
غم سرپرست	ظفر محمود انجم	45
ڈاک بابو	محبوب الٰہی مخمور	46
سلیم شرقپوری	امان اللہ نیر شوکت	59
ادبی رینکنگ	ادارہ	60
دوزخ	نوشاد عادل	65
کرن کرن اجالا	قارئین	78
قلمی خبرنامہ	تیمور غزنوی	83
جنت کا ٹکڑا	خالدہ امین	86
بچوں کا ترانہ	وسیم صادق شاہین	91
کان کا دھیان	الطاف حسین	92
بوڑھا مزدور	زبیر امین	100
غور طلب	سائرہ محبوب	103
تلاش	محمد عارف انیس	109

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اداریہ

عزیز ساتھیو! السلام علیکم!

جو شخص کم فائدہ پر قناعت کرے گا وہ بڑے فائدہ کا مالک بنے گا۔ یہ ایک ایسا بے خطا اصول ہے۔ جو اپنے اندر ابدی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ جس معاملہ میں بھی اس کو آزمائیں گے یقینی طور پر آپ کامیاب رہیں گے۔

ایک شخص نے بازار میں چھوٹی سے دکان کھولی۔ وہ کپڑے دھونے کا صابن اور کچھ اور چیزیں بیچتا تھا۔ اس کی دکان پر بہت جلد بھیڑ لگنے لگی۔ دن کے کسی وقت بھی اس کی دکان گاہکوں سے خالی نہ رہتی۔ اس کا راز یہ تھا کہ وہ پانچ روپے کا صابن ساڑھے چار روپے میں بیچتا تھا۔ آدمی اگر چار صابن خریدے تو عام نرخ کے لحاظ سے اس کو دو روپے بچ جاتے تھے۔ ایک آدمی نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ساڑھے چار روپے اس صابن کی تھوک قیمت ہے۔ دکان دار کو وہ صابن کارخانہ سے ساڑھے چار روپے میں ملتا ہے اور اسی دام پر وہ اس کو گاہکوں کے ہاتھ فروخت کردیتا تھا۔

اس آدمی نے دکان دار سے پوچھا کہ تم دام کے دام صابن بیچتے ہو۔ پھر تم کو اس میں کیا فائدہ ملتا ہے۔ دکان دار نے کہا کہ میری دکان پر اتنا صابن بکتا ہے کہ اس کی ۲۵ پیٹیاں دن بھر میں خالی ہوجاتی ہیں۔ میں ان خالی پیٹیوں کو پانچ روپے فی پیٹی کے حساب ۱۲۵ روپے میں بیچ دیتا ہوں۔ اس طرح ہر روز میرے ۱۲۵ روپے بچ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب آدمی میرے یہاں سے صابن لیتا ہے تو اکثر وہ کچھ نہ کچھ دوسری چیزیں بھی خرید لیتا ہے۔ یہ فائدہ اس کے علاوہ ہے۔

یہ دکان دار دھیرے دھیرے ترقی کرتا رہا۔ اس کا نفع پہلے ۱۲۵ روپے روز تھا۔ پھر ۲۵۰ روز ہوا۔ پھر وہ ۵۰۰ روپے اور ہزار روپے روز تک پہنچا۔ آدمی نے پیسے بچا کر اپنے ساتھ والی دکان بھی حاصل کرلی اور دونوں کو ملا کر ایک کافی بڑی دکان بنا لی۔ اب اس کا کاروبار اور بڑھا۔ یہاں تک کہ دس سال میں وہ شہر کا ایک بڑا دکان دار بن گیا۔

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ موجودہ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے امکانات کس قدر زیادہ ہیں۔ حتیٰ کہ یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی آج "بے نفع" کی تجارت شروع کرے اور کل وہ زبردست نفع والا تاجر بن جائے۔ آج وہ اپنے آپ کو "بے کچھ" پر راضی کرلے اور کل وہی وہ شخص ہو جو "سب کچھ" کا مالک بنا ہوا ہو۔ مگر دنیا کے ان بے حساب امکانات کو اپنے حق میں واقعہ بنانے کی لازمی شرط صبر اور عقل مندی ہے۔ جس کے پاس صرف بے صبری اور نادانی کا سرمایہ ہو اس کے لیے دنیا کے بازار میں کچھ نہیں۔

والسلام

محبوب الٰہی مخمور

itsurdu.blogspot.com

”اے خدا“

اعظم سکندر

اے خُدا
میں تجھ کو دیکھ سکتا ہوں
مگر یہ لوگ کہتے ہیں
کہ تو نظر نہیں آتا
غلط کہتے ہیں یہ جھوٹ کہتے ہیں
میں ثابت کر سکتا ہوں
اے خُدا! تیرے وجود کو
کلیاں پھول اور خوشبو میں
چاند اور ستاروں میں
سورج کی شعاعوں میں
کھیت، کھلیانوں میں
تپتے صحرا اور ہرے میدانوں میں
جنگل، بیابانوں میں
گنجان شہروں میں
گہرے سمندر کی لہروں میں
فلک پوش پہاڑوں پر
مٹی اور چناروں پر
خزاؤں اور بہاروں میں
دن اور رات میں
قحط سالی و برسات میں
موت اور جیون میں
مری شاعری کے فن میں
رنگِ کائنات میں
غرض ہر بات میں
تو نظر آتا ہے
اے خُدا!
ہر چاہنے والے کی آنکھ میں

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

سید اشرف بیتھوی

دو جگ کے سلطان
اپنے نبیؐ کی شان

آپ کا ہر فرمان
ہم سب کا ایمان

نام محمد صلے اللہ پر
تن من ہے قربان

عرش سے لا کر تحفہ!
دیا ہے ہمیں قرآن

اُمت ہے مشکل میں!
مشکل کر دیجئے آسان

دیکھوں جا کر مدینہ پاک
اشرف کا ہے ارمان

itsurdu.blogspot.com

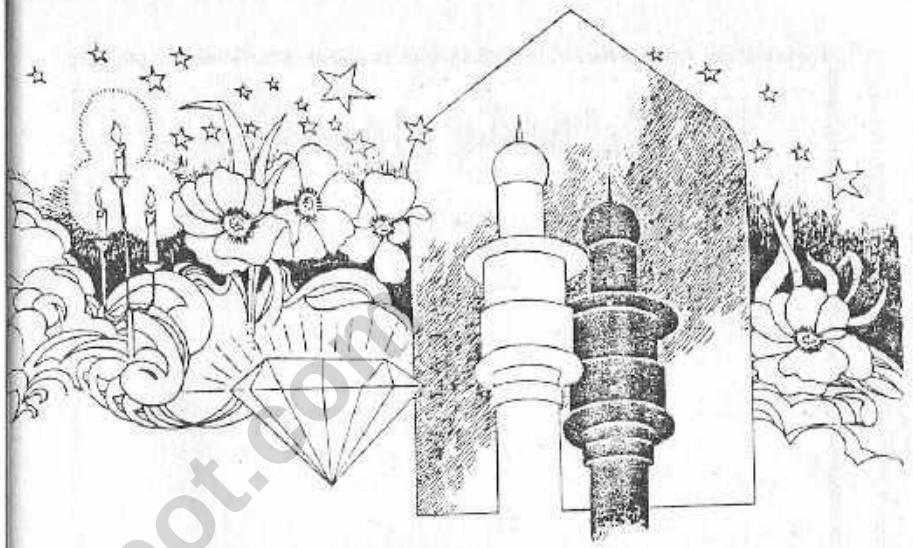

عظمت کے مینار

اللہ ان سے راضی اور یہ اپنے اللہ سے راضی (المائدہ ۱۱۹)

حضرت عاصمؓ بن ثابت

سید آصف جاوید نقوی کراچی

مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان جب حق و باطل کا پہلا معرکہ "غزوہ بدر" پیش آیا۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثار صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا۔ کہ تم دشمن کا مقابلہ کیسے کرو گے؟

حضرت عاصمؓ بن ثابت اٹھ کر کھڑے ہوئے، کمان ہاتھ میں پکڑتے ہوئے بولے۔ "جب دشمن سو ہاتھ کے فاصلے پر ہو گا تو لڑائی تیر اندازی سے ہوگی ..... جب دشمن زیادہ آگے آجائے گا تو لڑائی نیزے کے ساتھ ہوگی یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ جائیں گے اور جب نیزے ٹوٹ جائیں تو پھر لڑائی تلوار سے دست بدست ہوگی۔"

حضرت عاصمؓ بن ثابت کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے صحابہ کو مخاطب کیا۔

"واقعی جنگ اسی طرح لڑنی چاہیے ....جو دشمن سے جنگ لڑنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حضرت عاصمؓ بن ثابت کی طرح جنگ لڑے۔"

گو کہ میدان بدر میں کفار مکہ کے مقابلے پر نکلنے والے مجاہدین اسلام تعداد میں بہت کم تھے اور ساز و سامان کے لحاظ سے تو ان کی جنگی تیاریاں نہ ہونے کے برابر تھیں اس کے باوجود انہوں نے کمال جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کو شکست سے دوچار کردیا۔ قریش کے بڑے بڑے نامور سردار میدان بدر میں ذلت کی موت مارے گئے اور بہت سے زندہ گرفتار کر لیے گئے۔ میدان بدر کی عبرتناک شکست نے مشرکین مکہ کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑکا دی اور ان کا خون انتقام کے لیے جوش مارنے لگا۔ جو انہیں بہت جلد میدان احد تک لے آیا۔

غزوۂ احد کے موقع پر قریش کی عام خواتین کے ساتھ ساتھ ان کی نامور خواتین بھی اپنے مردوں کے جذبات ابھارنے اور انہیں میدان جنگ میں ڈٹ کر مقابلہ کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے موجود تھیں۔ ان خواتین میں قریشی سردار ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ، عمرو بن عاص کی بیوی ریطہ اور طلحہ کی بیوی سلافہ بنت سعد اپنے تینوں بیٹوں مسافع، جلاس اور کلاب کے ساتھ موجود تھیں۔

پہلے پہل مسلمانوں نے کفار مکہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جب مشرکین مکہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہونے لگے اور مسلمان فتح سے بہت قریب تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہاڑی پر تعینات کردہ تیر انداز دستے نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ مشرکین مکہ نے متوقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں پہاڑی سے پلٹ کر حملہ کردیا اور اسلامی لشکر کو گھیرے میں لے کر تہہ و تیغ کرنا شروع کردیا۔ مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہارنے لگے اور قریش کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہونے لگا۔

جب جنگ سر پر پڑی تو میدان احد میں مجاہدین اسلام کی لاشیں خون میں تر بکھری پڑی تھیں۔ قریش کی خواتین فتح کے نشہ میں سرشار رقص کرنے لگیں اور بہت سی خواتین جوش انتقام میں شہدا کی لاشوں کا مثلہ کرنے لگیں ان میں سر فہرست ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی لاش کا مثلہ کیا

itsurdu.blogspot.com

...پیٹ چاک کرتے ہوئے جگر نکال کر چبا ڈالا..... آنکھیں نکال دیں اور کان ناک کاٹ ڈالے اور دھاگے میں پرو کر گلے کا ہار بنایا پھر خوشی سے رقص کرنے لگی کہ آج اس نے میدان بدر میں قتل ہونے والے اپنے باپ' بھائی اور چچا کا انتقام لے لیا ہے۔"

کفار مکہ کے لشکر میں موجود تمام خواتین اپنے انتقام کی آگ بجھا رہی تھیں اس وقت سلافہ بنت سعد اپنی قریشی سہیلیوں سے الگ تھی اور بڑی بے چینی سے اپنے خاوند اور بیٹوں کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ آجائیں تو اسے بھی خوشی کے ساتھ اس جشن میں شریک ہونے کا موقع ملے۔ بہت انتظار کے بعد جب وہ نہ آئے تو وہ احد کے میدان میں پڑی لاشوں کے چہروں کو ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی .... جلد ہی اسے اپنے شوہر اور دو بیٹوں کی لاشیں چٹانوں پر پڑی مل گئیں جبکہ تیسرا بیٹا جلاس زندگی کی آخری سانسیں پوری کر رہا تھا۔

سلافہ نہایت غمزدہ انداز میں اپنے بیٹے کے پاس بیٹھ گئی اور اس کا خون آلود سر اپنی گود میں لے کر چہرے اور پیشانی سے خون صاف کرنے لگی ..... آہ و بکاہ کے عالم میں بیٹے سے مخاطب ہوئی۔

"میرے لخت جگر بتا! تجھے یہ گہرے زخم کس نے لگائے ہیں ... تیرے ساتھ یہ ظلم کس نے کیا ہے؟"

جلاس نے اکھڑتے ہوئے سانسوں کے ساتھ بمشکل جواب دیا کہ میرے باپ اور دو بھائیوں کو قتل کرنے والا اور مجھے اس حال میں پہنچانے والا عاصمؓ بن ثابت ہے۔ اس کے بعد وہ بھی موت کی آغوش میں چلا گیا۔

انتقام کی آگ سلافہ کے دل میں بھڑک اٹھی اور اس نے لات و عزیٰ کی قسم کھاتے ہوئے کہا۔

"میرے انتقام کی آگ اس وقت تک ٹھنڈی نہ ہوگی جب تک قریش عاصمؓ بن ثابت سے بدلہ نہ لے لیں اور عاصمؓ بن ثابت کی کھوپڑی مجھے شراب نوشی کے لیے پیش نہ کریں۔"

سلافہ بنت سعد نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی بھی عاصمؓ بن ثابت کو زندہ پکڑ لائے یا کم از کم اس کا سر ہی لے آئے میں اسے منہ مانگی دولت دوں گی۔ چنانچہ ہر نوجوان کے دل میں انعام حاصل کرنے کا لالچ پیدا ہوا اور وہ متحرک ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں جب بھی شہدائے احد کے لیے رحمت کی دعا کی جاتی تو ساتھ ہی میدان احد

کے بہادروں میں حضرت عاصمؓ بن ثابت کا تذکرہ خصوصی طور پر کیا جاتا جنہوں نے غزوہ احد میں بے مثل بہادری کی اعلیٰ مثالیں قائم کی تھیں۔ غزوۂ احد کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص مشن کے لیے چھ صحابہ کرامؓ کو منتخب فرمایا انہی میں سے حضرت عاصم بن ثابت کو قیادت کی ذمہ داری سونپی۔

حضرت عاصمؓ بن ثابت اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مشن پر روانہ ہوئے۔ آپ ابھی مکہ مکرمہ سے کچھ ہی فاصلے پر تھے کہ قبیلہ بنو ہزیل کی ایک جماعت کو علم ہو گیا اور انہوں نے آپ کو گھیر لیا۔ حضرت عاصم بن ثابت اور ان کے ساتھ بھی تلواریں نکال کر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے تو بنو ہزیل نے کہا۔

"بخدا ہم تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتے جبکہ تم ہمارے مقابلے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ اگر تم لوگ ہتھیار ڈال دو تو ہم خدا کو گواہ بنا کر تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں کچھ نہ کہیں گے۔"

بنو ہزیل کے افراد کی بات سن کر صحابہؓ نے مشورہ طلب نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا.....

حضرت عاصم بن ثابت نے فرمایا۔

"اللہ کی قسم! میں تو مشرکین کے سامنے ہتھیار نہ ڈالوں گا۔" حضرت عاصمؓ کے تین ساتھیوں نے دشمن کے وعدے پر اعتبار کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت عاصمؓ بن ثابت دشمن سے مقابلہ کے لیے تیار تھے کہ انہیں سلافہ بنت سعد وہ قسم یاد آئی جو اس نے اپنے شوہر اور بیٹوں کا انتقام لینے کے لیے مانی تھی کہ حضرت عاصمؓ کے سر میں شراب پی کر وہ انتقام کی آگ بجھائے گی۔ چنانچہ حضرت عاصمؓ بن ثابت نے بارگاہ رب العالمین میں ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمائی۔

"الٰہی! میں تیرے دین کی حفاظت اور اس کا دفاع کرتا ہوں تو اپنا کرم فرماتے ہوئے میرے گوشت اور ہڈیوں کی حفاظت فرمانا' اور میرے جسم کا گوشت اور ہڈیاں تیرے دشمنوں کے ہاتھ نہ لگیں۔"

دعا کے بعد آپ نے تلوار سونتی اور بنو ہزیل کی جماعت سے مقابلہ شروع کر دیا۔ آپ کے دو ساتھی بھی آپ کے ساتھ دیتے ہوئے بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک

itsurdu.blogspot.com

کہ آپ تینوں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوگئے۔ آپ کے جن تین ساتھیوں نے دشمن کے وعدے پر اعتبار کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے تھے دشمن نے بد عہدی کرتے ہوئے انہیں بھی قتل کر ڈالا۔ بنو ہزیل کے لوگوں کو جب علم ہوا کہ شہید ہونے والوں میں سے ایک وہی حضرت عاصمؓ بن ثابت ہیں جن کے سر کا سلافہ بنت سعد نے منہ مانگا انعام مقرر کر رکھا ہے تو وہ خوشی سے جھومنے لگے۔

بنو ہزیل کے ہاتھوں حضرت عاصمؓ بن ثابت کی شہادت کا سن کر قریش نے اپنا قاصد بنو ہزیل کی طرف وافر مقدار میں مال و دولت اور قیمتی تحائف دے کر روانہ کیا اور حضرت عاصمؓ بن ثابت کے سر کا مطالبہ کیا تاکہ سلافہ بنت سعد کو قسم پوری کرنے کے لیے پیش کیا جاسکے۔ لیکن تقدیر کچھ اور ہی فیصلہ کر چکی تھی۔

دین اسلام کے اس عظیم مجاہد کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہو چکی تھی۔ جب بنو ہزیل کے افراد حضرت عاصمؓ بن ثابت کا سر کاٹنے کے لیے آپ کے جسم کے قریب پہنچے تو بے شمار شہد کی مکھیوں اور بھڑوں نے آپ کے جسم کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ لوگ جیسے ہی سر جسم سے جدا کرنے کی نیت سے آگے بڑھتے تو مکھیاں اور بھڑیں ان پر حملہ کر دیتیں اور جسم کے قریب نہ آنے دیتیں۔ یہاں تک کہ وہ تھک گئے اور آپس میں فیصلہ کیا کہ لاش کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے اور رات کا اندھیرا چھانے کا انتظار کیا جائے۔ جب شہد کی مکھیاں اور بھڑیں جسم سے الگ ہو جائیں گی تو پھر حضرت عاصمؓ بن ثابت کے سر کو جسم سے الگ کر کے قریش مکہ کے حوالے کر دیا جائے۔

وہ لوگ تھوڑی دور بیٹھ کر رات کی تاریکی چھانے کا انتظار کرنے لگے۔ ابھی دن ختم نہ ہوا تھا کہ آسمان پر گہرے سیاہ بادل چھانے لگے۔ اور پھر بادلوں کی گھن گرج اور بجلی کی کڑک سے پوری وادی لرز اٹھی..... ایسی طوفانی بارش برسی کہ پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔ چند لمحوں میں ہی راستے اور گلیاں ندی نالوں کا منظر پیش کرنے لگے۔ اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ زبردست سیلاب آگیا ہے۔

موسلا دھار بارش کا سلسلہ رات بھر جاری رہا جس نے تمام لوگوں کو اپنے گھروں میں جانے پر مجبور کر دیا۔ جب صبح نمودار ہوئی تو بنو ہزیل کے لوگ حضرت عاصمؓ بن ثابت کا سر جسم سے الگ کرنے کے ارادے سے وہاں پہنچے جہاں ان کی لاش رکھی تھی لیکن انہیں یہ دیکھ کر بے حد

Blue Band بلیو بینڈ

مایوسی ہوئی کہ بارش کا سیلابی پانی ان کی لاش کو بہا کر کہیں دور نامعلوم جگہ لے جا چکا تھا۔ بنو ہزیل اور قریش مکہ نے لاش تلاش کرنے کی سر توڑ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔

بلاشبہ حضرت عاصمؓ بن ثابت کی دعا کا قبول ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی ان سے خوشنودی کا ثبوت ہے کہ اللہ نے ان کے جسم کو دشمن سے محفوظ فرما کر دشمن کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دیئے اور ان کے جسم کو بے حرمتی سے بچا لیا۔ بلاشبہ اللہ عظیم حکمت والا ہے۔

تاریخی واقعہ

ایک مرتبہ اسپین کے بڑے پادری نے کولمبس کو مدعو کیا اس کے اعزاز میں ایک پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ کھانے کی میز پر اس کو سب سے زیادہ قابل عزت اور نمایاں مقام پر بٹھایا گیا اور بادشاہوں جیسی عزت کی گئی۔ اسی وقت یہ تاریخی واقعہ پیش آیا۔

اس مجلس میں ایک درباری تھا جو کولمبس کے غیر ملکی ہونے پر اس کے اعزاز و اکرام پر حسد کرتا تھا۔ اس نے کولمبس سے کہا کہ اگر وہ امریکہ دریافت نہ کرتا تو ایک دن ضرور آتا جب دوسرے لوگ امریکہ کا پتہ لگا ہی لیتے۔

کولمبس درباری کی شرارت بھانپ گیا۔ اس نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ایک انڈا لے کر میزبانوں کو قریب بلایا اور کہا۔

"کیا آپ میں سے کوئی اس انڈے کو میز پر سیدھا کھڑا کر سکتا ہے۔؟"

"درباریوں نے باری باری انڈے کو میز پر کھڑا کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ اس کے بعد کولمبس نے انڈے کو میز پر مار کر اس کا کنارہ توڑا اور انڈے کو میز پر کھڑا کر دیا اور بولا۔

"دیکھو! اب آپ میں سے ہر شخص انڈے کو میز پر کھڑا کر سکتا ہے جب ایک دفعہ راستہ دکھا دیا جائے تو اس پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔"

علمدار حسین بلوچ، خوشاب

Blue Band بلیو بینڈ
itsurdu.blogspot.com

نغمۂ آزادی

تنویر پھول

خونِ دل سے نکھاریں گے اپنا چمن!
سیم و زر سے گراں خاکِ ارضِ وطن!

اے زمینِ وطن! اے زمینِ وطن! تجھ پہ کر دیں گے قربان ہم جان و تن!
ہم کو آزادی بخشی ہے اللہ نے! اب سدا ہم پہ ہے رحمتِ ذوالمنن!

خونِ دل سے نکھاریں گے اپنا چمن!
سیم و زر سے گراں خاکِ ارضِ وطن!

کتنی پیاری تھی ساعت مبارک تھی شب شکر میں اور دعا میں تھے مصروف لب
ملکِ پاک اپنا دنیا میں قائم ہوا ہم کو بخشا گیا کیسا انعامِ رب!

خونِ دل سے نکھاریں گے اپنا چمن!
سیم و زر سے گراں خاکِ ارضِ وطن!

اس میں ہر سُو محبت کے دریا رواں اس کی شاداب گلپوش ہیں وادیاں
نام اللہ کا لے کر آگے بڑھیں اپنے پیارے وطن کو بنادیں جناں

خونِ دل سے نکھاریں گے اپنا چمن!
سیم و زر سے گراں خاکِ ارضِ وطن!

ذرّے ذرّے کو کر دیں گے رشکِ گہر خاکِ ارضِ وطن ہوگی مثلِ قمر!
نورِ تکبیر سے جگمگائے وطن!! ہم چلیں گے سدا امن کی راہ پر!

خونِ دل سے نکھاریں گے اپنا چمن!
سیم و زر سے گراں خاکِ ارضِ وطن!

جشنِ آزادی اب یوں منائیں گے ہم شمعِ ہمت دلوں میں جلائیں گے ہم!
جگمگا دیں گے اے پھول! ارضِ وطن اس کا ہر ذرّہ سورج بنائیں گے ہم!

خونِ دل سے نکھاریں گے اپنا چمن!
سیم و زر سے گراں خاکِ ارضِ وطن!

معلوماتِ عامہ

- جھوٹی تہمت پر سزا کا حکم سورۃ النور میں ہے۔
- قرآن مجید کا سب سے پہلے نازل ہونے والا لفظ "اقراء" ہے۔
- پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی میں صرف ایک مرتبہ حج کیا تھا۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام جنہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔

عبدالسلام سنجر، بلیدہ

itsurdu.blogspot.com

سرباس

بلوچستان کے بعض علاقوں میں عجیب وغریب پرندہ پایا جاتا ہے اس پرندے کا نام سرباس ہے اس کی چونچ میں ۱۲ سوراخ ہوتے ہیں۔ جب یہ سانس لیتا ہے تو ہوا ان سوراخوں میں اس انداز سے داخل ہوتی ہے کہ ایک سریلی آواز ہوتی ہے جسے سن کر چھوٹے چھوٹے پرندے اس کے گرد جمع ہوجاتے ہیں وہ اپنی آواز کے جادو سے ان کو بے بس کر کے اپنی پسند مطابق جسے چاہے شکار کرلیتا ہے جب کھا کر سیر ہوجاتا ہے تو پھر سانس کو اس انداز سے خارج کرتا ہے کہ خوفناک آواز ہوتی ہے۔ اس کے گرد جمع ہونے والے پرندے گھبرا کر اڑ جاتے ہیں۔

محمد شعیب خانزادہ، نورانی محلہ نصرپور

کامیاب ہے

☆ کامیاب ہے وہ انسان جو ہر وقت خدا کی عبادت کرے۔
☆ کامیاب ہے وہ انسان جو ماں باپ کی عزت کرے۔
☆ کامیاب ہے وہ انسان جو سب سے ہمدردی کرے۔
☆ کامیاب ہے وہ انسان جو سب کے دکھ بانٹے۔
☆ کامیاب ہے وہ انسان جو دکھی دلوں سے پیار کرے۔

محمد مشتاق حسین قادری کشمیری، کراچی

علامہ اقبال کے اقوال

☆ قومیں فکر سے محروم ہو کر تباہ ہوجاتی ہیں۔
☆ زندگی ایک جدوجہد ہے۔
☆ زندگی اور موت میں سانس کا فرق ہے۔
☆ قرآن انسان کو زندگی کی تصویر سے آگاہ کرتا ہے۔

مامربن حاجی احمد چاہ سری، تربت

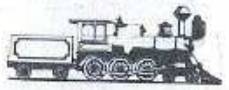

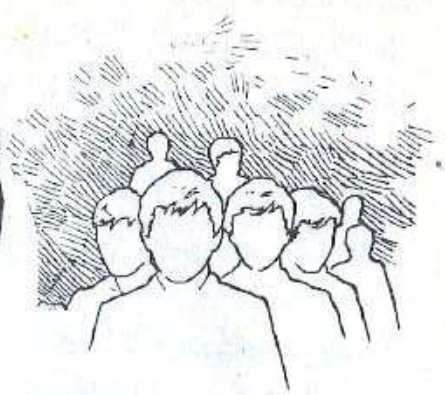

عزمِ نو

محمد عرفان راے

"ہوں.... تو تم ایک غیر ملکی اخبار کے لیے تحقیق کرنے پاکستان آئے ہو کہ آزادی کے ان ۵۶ سالوں میں پاکستانیوں نے اپنی مذہبی اور قومی ذمہ داریوں کو کس حد تک نبھایا ہے۔" اسلم نے سامنے پڑی فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بالکل..... اور اس سلسلے میں کتاب بھی لکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے شیشے کے پار کیش کاؤنٹر کے گرد مچی افراتفری دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے لکھو اچھا موضوع ہے ..... ویسے بتادوں کہ تمہیں اس سلسلے میں زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑے گی۔"

"میں سمجھا نہیں..." میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک ایسے ملک میں جہاں چھابڑی والے سے لے کر اعلیٰ حکام تک ہر خاص وعام کسی نہ کسی صورت کرپشن میں ملوث ہو وہاں احساس ذمہ داری کا معیار کیا ہو سکتا ہے۔ یوں سمجھو کہ اگر فرق ہے تو صرف اختیارات اور وسائل کا .... ایک چھابڑی والا زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتا ہے۔ موقعہ پاتے ہی ایک دو روپے ریٹ بڑھا دے گا، وزن میں ہیرا پھیری کرنے کی کوشش

itsurdu.blogspot.com

کرے گا یا پھر آنکھ بچا کر خراب پھل سبزی بھی آپ کے حصے میں ڈال دے گا کیونکہ اس سے زیادہ وہ کچھ کر نہیں سکتا۔ جبکہ دوسری جانب ایک اعلیٰ آفیسر اپنے اختیارات کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے ہمیشہ لمبا ہاتھ مارے گا۔ غور کیا جائے تو دونوں کے مقاصد اور ذہنی معیار ایک ہی ہے فرق ہے تو صرف طبقاتی تقسیم اور اختیارات کا۔"

ابھی بات جاری تھی کہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کیبن کا دروازہ کھلا اور کیشیر ایک بوڑھے شخص کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوا۔ بوڑھے کو کرسی پر بٹھانے کے بعد وہ آگے بڑھا اور اسلم کے کان میں کھسر پھسر کر کے باہر نکل گیا۔

"جی بابا جی.... فرمائیں کیا مسئلہ ہے؟" اسلم نے بغور بوڑھے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"مسئلہ کیا ہونا ہے منیجر صاحب! چند ماہ قبل میں نے ایک لاکھ روپے بینک میں جمع کروائے تھے۔ آج میں اپنا کھاتہ بند کروانا چاہتا ہوں تو کیشیر مجھے سات ہزار روپے زائد ادا کر رہا ہے۔ جبکہ میں صرف اصل رقم لینا چاہتا ہوں۔"

"مگر کیوں.... یہ سات ہزار روپے تو آپ کا منافع ہے پھر انکار کیسا....؟" اسلم حیرت سے بولا۔

"اس لیے کہ یہ سات ہزار روپے منافع نہیں سود ہے۔ حرام قرار دیا ہے میرے اللہ نے اسے۔" بوڑھے نے پرعزم لہجے میں جواب دیا۔

"بابا جی! آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے یہ واقعی منافع ہے سود نہیں اور ہم یہ رقم اپنے ہر کھاتہ دار کو ادا کرتے ہیں۔" اسلم نے سمجھانا چاہا۔

"نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی.... شراب کی بوتل پر آپ زم زم لکھ دینے سے وہ پاک نہیں ہو جاتی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم لوگوں نے اپنے گناہوں پر مختلف طریقوں سے پردہ ڈالنے کے طریقے تلاش کر لیے ہیں... ناجائز پیسہ نشے کی طرح ہوتا ہے۔ ایک دفعہ منہ کو لگ جائے تو ضمیر دھیرے دھیرے مرنے لگتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سب کچھ حلال محسوس ہونے لگتا ہے۔ نابیٹا نا.... مجھے نہیں چاہیے یہ میٹھا زہر۔ اسے تم اپنے پاس ہی رکھو۔" یہ کہہ کر بوڑھا میز کا کنارہ پکڑ کر کھڑا ہوا اور سات ہزار روپے اسلم کے سامنے رکھ کر چپ چاپ واپس لوٹ گیا۔

اس کے جانے کے بعد دیر تک ہم دونوں گم سم بیٹھے رہے.... پھر اسلم نے اس جان لیوا

سکوت کو توڑا۔

"کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے اس ملک وہ لاکھوں بددیانت سرکاری اہلکار نہیں چلا رہے جنہوں نے قومی خزانے کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ رکھا ہے بلکہ وہ چند محب وطن لوگ چلا رہے ہیں۔ جنہوں نے پاکستان کا مطلب کیا..... کے نعرے کو سمجھا اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنایا۔"

اسلم کی بات سن کر میں نے مزید کوئی تبصرہ کیے بغیر اس سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے واپسی کی اجازت چاہی اور بینک سے باہر آ گیا۔ کیونکہ اسلم کے ابتدائی تاثرات اور بوڑھے کی ڈرامائی آمد نے مجھے الجھا کر رکھ دیا تھا۔

اگلے روز میں نے اپنے باقاعدہ کام کا آغاز کر دیا۔ میں صبح سویرے ہوٹل سے نکلتا اور مختلف شعبہ زندگی کے لوگوں سے مل کر اپنی تحقیق کے حوالے سے ان کے تاثرات معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس بات کا احساس مجھے شدت سے ہوا وہ یہ تھی کہ غربت کی چکی میں پستی ہوئی عوام کی اکثریت دنیا جہان سے بے خبر روٹی، کپڑے اور مکان جیسی بنیادی ضروریات کے حصول کی جنگ میں بری طرح الجھی ہوئی ہے.... یہاں تک کہ بحیثیت قوم انہوں نے وہ خواب بھی دیکھنے چھوڑ دیے ہیں جو کسی ملک کو دنیا کے نقشے پر نمایاں مقام دلانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

اس دوران اسلم سے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا اور اس نے کام کے سلسلے میں میری بھرپور مدد کی۔ اس کی خواہش اور اصرار پر میں آج ایک ریٹائرڈ پروفیسر کریم صاحب سے ملنے ان کے گھر جا رہا تھا کیونکہ اسلم کے مطابق وہ موجودہ ملکی صورت حال پر گہری نظر رکھتے تھے۔

گھر پہنچنے پر انہوں نے میرا نہایت خوشدلی سے استقبال کیا۔ ان کی دوریش طبیعت اور شفیقانہ رویئے نے جلد ہی میری جھجھک دور کر دی اور یوں چائے کی میز پر ہماری بھرپور گفتگو کا آغاز ہوا۔

"کیسی رہی آپ کی تحقیق...؟"

"تقریباً" مکمل ہو چکی ہے۔ جلد ہی میں واپس لوٹ جاؤں گا کیونکہ اخبار والے شدت سے میری رپورٹ کے منتظر ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

itsurdu.blogspot.com

"صحیح .....ویسے نتیجہ کیا نکلا آپ کی تحقیق کا..؟" انہوں نے میری محنت کو سراہتے ہوئے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ حالات اتنے اچھے نہیں .....بلکہ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قیام پاکستان سے آج تک ہم نے آزادی کے مفہوم کو سمجھا ہی نہیں۔"

آپ کا سوال واقعی اہم ہے اور قریباً" ہر دوسرے شخص کے دل و دماغ میں سر اٹھاتا ہے۔ آزادی کے ۵۶ سالوں میں ہم نے کیا کھویا کیا پایا اس کا جذباتی جواب دینے کے بجائے ٹھنڈے دماغ سے موازنہ کرنا چاہیے کہ ہمارے موجودہ معاشی اور معاشرتی حالات آج بھی وہی ہیں جو ۱۹۴۷ء میں تھے ' اس سے بہتر ہیں یا پھر بدتر ہو چکے ہیں۔ تو اس کا جواب یقیناً" یہی ہو گا کہ ہمارے حالات اس وقت سے بہت بہتر ہیں۔ ہاں! مانتا ہوں کہ ترقی کی رفتار ہماری توقعات کے مطابق نہیں رہی لیکن اس کی ساری ذمہ داری کسی ایک فرد یا طبقے پر ڈالنا مناسب نہیں۔ بہتر یہی ہو گا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا احتساب خود کرے۔ کہ کوئی بھی کام کرنے سے قبل کس حد تک یہ بات سوچی جاتی ہے کہ اس کے نتائج ہمارے ملک اور آزادی پر کیا اثرات مرتب کریں گے۔" کریم صاحب نے وضاحت سے جواب دیا۔

"تو پھر اس کا حل کیا ہے...؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"صرف جذبہ ایمان 'حب الوطنی اور احساس ذمہ داری۔"

"کیا نفاقی کے اس دور میں جب لوگوں کو بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں یہ تمام نعرے قابل عمل ہیں...؟" میرے لہجے میں طنز تھا۔

"ہاں بالکل..... بشرطیکہ ہم اپنی قومی وحدت کو پارہ پارہ نہ ہونے دیں۔ ہماری یہ بدقسمتی رہی ہے کہ روز اول سے آج تک پاکستان جغرافیائی طور پر دھمکیوں کی زد میں رہا ہے۔ تین بڑی جنگوں کے علاوہ آئے دن ہونے والی سرحدی جھڑپوں نے ہماری ترقی کی رفتار پر بہت برے اثرات ڈالے ہیں۔ گو ہم نے ہر محاذ پر دل و جان سے اپنے ملک کا دفاع کیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج کے دور میں جنگیں مسائل کا حل نہیں کیونکہ اس سے دونوں فریق متاثر ہوتے ہیں۔ جنگ جیتنے والے بھی اور ہارنے والے بھی"

اس کے بعد انہوں نے میرے چند دیگر سوالات کا تفصیل سے جواب دیا اور پھر کچھ دیر توقف کے بعد دھیمے لہجے میں بولے۔

"اس رپورٹ کے لیے آپ نے یقیناً" بہت محنت کی ہے .....لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟"

"اپنے اخبار کے لیے کیونکہ ہمارے ادارے نے خصوصی طور پر مجھے اس پراجیکٹ کے لیے منتخب کیا ہے۔" میں نے فخر سے جواب دیا۔

"اس کی وجہ...؟"

"یقیناً" یہی کہ میں ایک اچھا رپورٹر ہوں اور یہ اہم ذمہ داری خوش اسلوبی سے انجام دے سکتا ہوں۔"

"لیکن شاید آپ نے غور نہیں کیا کہ اس انتخاب کی ایک وجہ آپ کا پاکستانی نژاد مسلمان ہونا بھی ہو سکتی ہے" کریم صاحب نے نہایت سنجیدگی سے میری جانب دیکھا۔

"آئی ایم سوری..... میں سمجھا نہیں؟" ان کی باتوں نے مجھے الجھا کر رکھ دیا تھا۔

"بات سیدھی سی ہے .... آپ پاکستانی ہیں۔ قطعہ نظر اس کے کہ آپ کی ساری عمر ملک سے باہر گزری اپنے ہم وطنوں کے لیے نیک جذبات رکھتے ہیں۔ جبکہ وہ مفاد پرست آپ کی اس نیک نیتی کو کیش کرنا چاہتے ہیں۔"

"مگر کیوں؟"

"تاکہ ہمیں جاہل 'گنوار اور پسماندہ قرار دیا جا سکے اور ایک پاکستانی کے ہاتھوں پاکستان کی جگ ہنسائی کروائی جا سکے .... آپ دیکھ لیجیے گا اس رپورٹ کو خوب پذیرائی حاصل ہو گی۔ اخبار تو کیا کئی بڑے ٹی وی چینل آپ کے انٹرویو کریں گے اور انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں آپ کو ہیرو بنا کر پیش کریں گی۔" کریم صاحب نے جواب دیا۔

"لیکن اس سے انہیں کیا فائدہ؟"

"ہماری تذلیل کا موقعہ ملے گا انہیں اور وہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہم آزادی کے اہل ہی نہیں تھے۔ کیونکہ وہ لوگ ہمیں کسی صورت بخشنے کے لیے تیار نہیں ہے چاہے ہم صرف نام کے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں جبکہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس مرتبہ انہوں نے ایک پاکستانی کو ہی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا ہے۔" کریم صاحب کے آخری جملے میں کچھ ایسا کرب چھپا تھا اس کی بازگشت باربار مجھے اپنے کانوں میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔

itsurdu.blogspot.com

ان سے رخصت ہوکر رات گئے واپس ہوٹل پہنچا تو نیند مجھ سے کوسوں دور تھی۔ اس رپورٹ کے حوالے سے مستقبل میں حاصل ہونے والی کامیابیاں کسی بھیانک شکست کی صورت میں دکھائی دینے لگی تھیں۔

"میں بہت برا ہوں.... اپنی ملازمت اور وقتی مفاد کے لیے اپنے ہی ہم وطنوں کی مجبوریوں کا سودا غیروں کے ہاتھ کرنے پر تلا ہوا ہوں۔ جس معاشرے میں کبھی رہا ہی نہیں، جن کے مسائل کو کبھی اپنا نہیں سمجھا انہی کے کرب کو اپنی کامیابی کے لیے سیڑھی بنانا چاہتا ہوں..... یقیناً" میں ایک بری حرکت کرنے والا ہوں۔ اگر شعوری یا لاشعوری طور پر مجھ سے کوئی بڑی غلطی ہوگئی تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کرسکوں گا۔ ... ہرگز نہیں.... میں ایسا نہیں کروں گا.... کسی غیر کے ناپاک عزائم کو پورا کرنے کے لیے اپنے ملک کے وقار کو ٹھیس نہیں پہنچنے دوں گا۔"

حتمی لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے میں نے گہرا سانس لیا اور اپنی رپورٹ لفافے میں بند کرکے کریم صاحب کا ایڈریس لکھنے لگا.... اس امید کے ساتھ کہ ان کے توسط سے یہ رپورٹ یقیناً" کسی ایسی محب وطن اور با اختیار شخصیت تک پہنچے گی جو اس میں زیر بحث لائے گئے مسائل کے حل کے لیے اہم کردار ادا کرسکے۔

اس کام سے فارغ ہوا تو میں خود کو نہایت ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔ رات قریباً" بیت چکی تھی۔ ہوا کے تازہ جھونکے کی تلاش میں کمرے کی کھڑکی کھولی تو کہیں دور سے آتی ہوئی فجر کی اذان کے یہ کلمات سماعت سے ٹکراتے ہی دل پانی بن کر آنکھوں میں چمک اٹھا۔

حی علے الفلاح

حی علے الفلاح

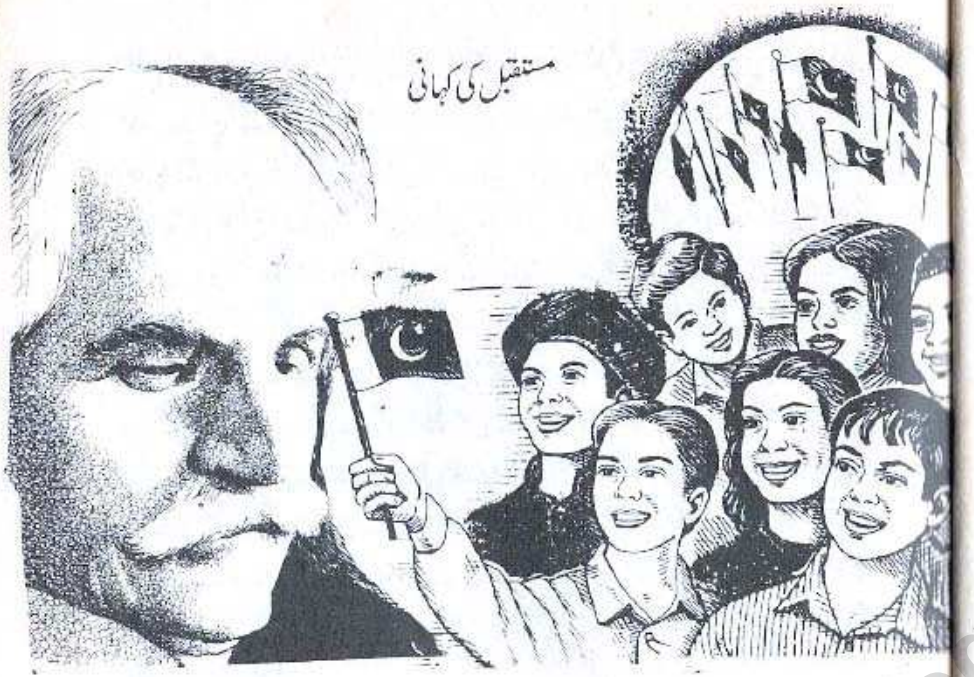

مستقبل کی کہانی

انوکھی کامیابی

جدون ادیب

پروفیسر محبت عالم بے چینی کے ساتھ اپنے ملاقاتیوں کی آمد کا انتظار کررہے تھے، شہر کے مضافات میں واقع ایک دور افتادہ مقام پر وہ اپنے وسیع وعریض بنگلے میں تنہا رہتے تھے۔ ان کا واحد ملازم فیروز شام سات بجے اپنے گھر لوٹ جاتا تھا۔ پروفیسر نے اپنے بنگلے اور اس میں موجود چھوٹی سی جدید لیبارٹری کی حفاظت کے لیے خود کار سائنسی نظام قائم کر رکھا تھا۔ ان کے پاس ایک آٹومیٹک رائفل تھی، جو گولی فائر کرنے کے علاوہ ایسی گیس بھی خارج کرتی تھیں جس سے حملہ آور بے ہوش ہوسکتا تھا!۔ پروفیسر کا اس بھری دنیا میں کوئی نہ تھا۔ انہوں نے اپنی جوانی کے دن امریکہ میں گزارے تھے۔ جہاں پر وہ کیمیکل انجینئرنگ سے ماسٹر کرنے کے بعد ایک فرم میں پرکشش معاوضے پر کچھ عرصہ کام کرتے رہے۔ بعد میں انہوں نے اپنے شعبے میں پی ایچ ڈی کی اور ایک کالج میں لیکچرار تعینات ہوگئے۔ تدریس کے دوران انہوں نے رنگوں سے

itsurdu.blogspot.com

متعلق چند نظریات پیش کیے اور چند پرانے نظریات میں ترمیم کی۔ ان کی کاوشوں سے حسد پسند عناصر نے ان کے خلاف ایک محاذ قائم کرلیا اور ان کی نوکری کی درپے ہوگئے۔ مایوس ہوکر انہوں نے نوکری چھوڑ دی اور وطن واپس چلے آئے۔ یہاں پر چند ماہ رہ کر انہوں نے اپنے لیے ایسا کام تلاش کرنے کی کوشش کی جس کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی تجربات کرسکیں مگر ان کی خواہش پوری نہ ہوئی اور وہ امریکہ لوٹ گئے جہاں پر ایک ٹیکسٹائل مل میں ان کے لیے ایک معزز اور پرکشش نوکری ان کی منتظر تھی۔ اس کی بریفنگ اور لیکچرز کے نتیجے میں ٹیکسٹائل انجنیئروں نے اپنی ذہانت اور مہارت سے اپنی کمپنی کے لیے ایسی منزل کی بنیاد رکھی جس کے بعد ان کے لیے دولت اور شہرت کے راستے کھل گئے۔ وہ بھاری معاوضے پر مختلف کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں لیکچر دینے لگے۔ چند سال بعد وہ اپنے وطن لوٹے تو ان کے پاس لاکھوں روپے تھے۔ ان کی بیمار ماں نے ان کے سفید ہوتے بالوں کی طرف اشارہ کیا اور ان کی شادی کرا دی۔ شادی کے بعد ماں چل بسی اور وہ اپنی بیوی کو لے کر امریکہ چلے آئے۔ یہاں ایک حادثہ میں اس کی بیوی اور بچی ہلاک ہوئے تو ان کا دل ٹوٹ گیا اور وہ ایک دفعہ پھر وطن لوٹ آئے مگر ہمیشہ رہنے کے لیے!

اپنے وطن آکر پروفیسر محبت عالم کو چند تلخ حقائق کا سامنا کرنا پڑا یہاں ان کے شایان شان کوئی ملازمت نہیں تھی۔ پروفیسر کے پاس اتنا روپیہ تھا کہ اس کی کئی پشتیں گھر بیٹھے کھا سکتی تھیں اور ان کا اپنا تو کوئی تھا ہی نہیں۔ انہوں نے گھر بیٹھ کر تجربات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اپنی چھوٹی سے لیبارٹری میں پروفیسر نے اپنی ضرورت کا ہر جدید ساز و سامان رکھا تھا اور وہ انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا بھر کے تحقیقاتی مرکز اور یونی ورسٹیوں سے رابطہ رکھا تھا۔

پروفیسر نے ذاتی تجربات کے دوران ایک ایسا خیمہ تیار کیا جو سخت دھوپ کو جذب کرنے کے علاوہ رات کو ہلکی روشنی کی لہریں خارج کرتا تھا۔ دبئی کے ایک شیخ نے معاہدے کے ذریعے پروفیسر سے فارمولا حاصل کیا اور راتوں رات خیمے تیار کرکے مارکیٹ میں رکھوا دیئے اور بہت جلد صحرائی علاقوں میں ان خیموں کے استعمال کا رواج بن گیا۔

پروفیسر نے بچھو اور بڑوں کی تفریح کے لیے روشنی کا بم بھی بنایا جس کا نام اس نے "میسج بم" رکھا۔

روشنی کے یہ گولے فضا میں جا کر پھٹتے تھے اور بم کے پھٹتے ہی تیز روشنیوں میں کوئی پیغام

چند لمحوں کے لیے بنتا اور پھر تیز جھماکوں سے الفاظ ٹوٹ کر بکھر جاتے۔ پروفیسر نے جب اپنے پہلے بم کا تجربہ کیا اور ان کا خوبصورت پیغام جب اخبار کے ایڈیٹروں سینیٹر سرکاری افسروں اور عام شہریوں نے پڑھا تو وہ بہت محظوظ تھے۔ "میں سارے عالم سے محبت کرتا ہوں۔" کے پیغام کے بعد پروفیسر نے "پاکستان زندہ باد" ۔ "ہم سب خوش ہیں۔" "یہ کامیابی تعلیم کی بدولت ہے۔" کے پیغامات والے بم فائر کیے۔ اخبار والے دھڑا دھڑ تصویریں بنا رہے تھے۔ ان بموں نے پروفیسر کو کئی دلوں کا آئیڈیل بنا دیا۔ جلد ہی ان کے بنائے ہوئے محفوظ اور انوکھے بم مارکیٹ میں موجود تھے اور اس کے لیے عالمی آرڈر بھی مل گئے تھے۔

پروفیسر نے لکھنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہوا تھا۔ کبھی کبھار وہ دنیا کے کسی ملک کے اہم دورے پر بھی چلے جاتے تھے۔ پروفیسر فطرتاً" تنہا پسند اور کام میں مشغول رہنے والے آدمی تھے اور ملاقاتیوں سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے آبادی سے دور گھر بنا رکھا تھا مگر پھر بھی ان سے ملنے والے اکثر لوگ یہاں پر بھی پہنچ آیا کرتے تھے۔

اس وقت پروفیسر جن ملاقاتیوں کا انتظار کر رہے تھے انہوں نے ان سے ملاقات کے لیے بہت تگ و دو کے بعد وقت لیا تھا۔ پروفیسر کو کافی دن تک "فرینڈز سوسائٹی" کی طرف سے ای میل پیغام وصول ہو رہا تھا کہ ایک اہم معاملے کے لیے رابطہ کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر نے ایک دن فرصت پاکر سوسائٹی کا نمبر ملایا اور فون پر ایک لڑکے کو پاکر سوسائٹی کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ پتہ چلا کہ یہ نوجوانوں کی غیر سیاسی تنظیم ہے جو وطن عزیز کے لیے نیک مخلصانہ جذبات رکھتی ہے اور اس کے اظہار کے لیے بنائی گئی ہے۔

پروفیسر نے اپنا تعارف کروایا تو لڑکا چونک پڑا اور ان سے گزارش کی کہ ان کی تنظیم کا ایک پارلیمانی وفد ان سے ملاقات کرنا چاہے گا۔ پروفیسر نے کچھ سوچتے ہوئے انہیں اگلے روز دس بجے ملاقات کا وقت دیا اور اس وقت دس بجنے میں ایک منٹ تھا۔ جب گیٹ پر ملاقاتیوں کی آمد کا اشارہ موصول ہوا۔ پروفیسر نے فیروز کو اشارہ کیا۔ وہ ملاقاتیوں کو اندر لے آئے۔ پروفیسر نے ایک اسکرین پر نظریں جما کر چند بٹن دبائے پھر اس کے چہرے پر بدمزگی کے آثار نمودار ہوگئے۔ گیٹ پر سولہ سے اٹھارہ سال تک کے چند نوجوان کھڑے نظر آرہے تھے۔ جن کی آنکھوں میں شرارت اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ٹیلی فون پر لڑکے نے جس طرح ایک سنگین مسئلہ کو بنیاد بنا کر ملاقات کے لیے وقت لیا تھا۔ وہ وقت گزاری کا ڈرامہ محسوس ہو رہا تھا

itsurdu.blogspot.com

۔ پروفیسر کے خیال میں ان نوجوانوں کی عمر اتنی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ملکی سطح کے کسی سنگین معاملے پر سوچ سکیں۔

اسکرین بتا رہی تھی کہ لڑکوں کے پاس ہتھیار اور کوئی اور نقصان دہ چیز نہیں ہے۔ پھر بھی فیروز نے ان کی سرسری تلاشی لی اور انہیں اندر آنے دیا۔ لڑکوں نے پروفیسر کو ادب کے ساتھ سلام کیا اور باری باری اس کے ساتھ مصافحہ کیا۔ پروفیسر صاحب نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فیروز نے مہمانوں کے آگے پانی رکھا اور واپسی کے لیے مڑا۔ پروفیسر نے اسے چائے کے لیے کہا اور آنے والوں کی طرف متوجہ گیا اور پھر وہ جوں جوں ان کی باتیں سنتا گیا۔ ان کی دلچسپی بڑھتی چلی گئی۔ طارق ان لڑکوں کی قیادت کرتے ہوئے ایک معاشرتی المیے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ پھر اس نے ایک آسان سا حل تجویز کیا تو پروفیسر چونک پڑا۔ اب ان کی سمجھ میں آگیا تھا کہ یہ لڑکے کیا چاہتے ہیں! انہوں نے ایک نظر بھر کر سب کو دیکھا۔ انہیں فخر ہوا کہ یہ ان کے وطن کے نوجوان ہیں ان کا بے فکری اور کھیل کود کا زمانہ ہے مگر یہ کتنے حساس ہیں اس معاملے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ جو ہمارا معاشرتی المیہ بن گیا ہے۔!

چائے آنے تک پروفیسر بچوں سے گھل مل گئے اور انہیں اپنی جوانی اور بچپن کی تصویریں دکھانے لگے۔

فرینڈز سوسائٹی کے دفتر میں اس وقت زبردست حل چل تھی۔ تمام عہدے داران ممبروں سمیت موجود تھے۔ یہ سوسائٹی طارق اور جمال نے قائم کی تھی۔ انہوں نے اس کا طریقہ کار اور نصب العین ایسا رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے انہیں ہمدرد دوستوں کا ساتھ میسر ہوتا گیا۔ طارق اس تنظیم کا جنرل سیکریٹری تھا۔ اس نے کل پچاس ممبر بنائے تھے۔ جمال کے چالیس ممبر تھے وہ صدر تھا۔ بعد میں اصغر اپنے پندرہ ساتھیوں سمیت ان کی تنظیم میں شامل ہوا تو اسے نائب صدر بنا دیا گیا۔ قاسم ان کو چوتھا اہم ساتھی تھا جو اپنے چند ساتھیوں سمیت فرینڈز سوسائٹی میں شامل ہوا اور اسے آفس سیکریٹری بنایا گیا۔ تنظیم مختلف اسکولوں میں صحت وصفائی سے متعلقہ امور کے لیے مختلف مقابلہ جات کا انعقاد کرتی اور وطن میں خواندگی کے فروغ کے لیے تجاویز اور اقدامات کرتی تھی۔ ساتھ ہی اپنی ہفتہ وار میٹنگ میں وطن کے دفاع کے لیے بحث ہوتی تھی۔ مختلف موضوعات پر بات چیت کے بعد یہ لوگ اسے لکھ کر اخبار یا کسی افسر کو روانہ کر دیتے تھے۔ یہیں سے ایک دفعہ قاسم کے مشورے پر ایک معاشرتی المیے کی نشاندہی

اور اس کے حل کے بارے میں کام کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس وقت جو میٹنگ ہو رہی تھی اس میں چند اختلافات سامنے آرہے تھے۔ ممبران کے اندر بے دلی پھیل گئی تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے ان کی مشترکہ محنت کا پھل عہدے داراں وصول کرلیں گے۔ شہرت ان کا مقدر ہوگی۔ طارق اور جمال بند کمرے میں پہلے ہی کچھ معاملات پر بات چیت کر چکے تھے۔ اور پھر جب جمال نے طارق کو نئے ممکنہ عہدے داروں کی لسٹ پڑھنے کو کہا تو سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ طارق نے مسکراتے ہوئے لسٹ نکالی اور شرارت سے بولا "میں سمجھ سکتا ہوں کہ ہمارا طریقہ کار آمرانہ قسم کا ہے۔ ایک مارشل لا کا تاثر آپ لوگوں نے بنا رکھا ہے مگر ہم زبردست جمہوری لوگ ہیں۔ اس لیے ہم نے میرٹ پر فیصلہ کرتے ہوئے چند نئے عہدے داران منتخب کیے ہیں۔ جنہوں نے سوسائٹی کے لیے گرانقدر خدمات انجام دیں ہیں۔ بہرحال ہمیشہ کی طرح حتمی فیصلہ ممبران کریں گے۔!"

طارق نے پانچ ممبران پر مشتمل مشاورت گروپ کے علاوہ ڈپٹی سیکریٹری، پروپیگنڈا سیکریٹری، پریس سیکریٹری اور خزانچی کے عہدوں کا اعلان کیا۔ جنہیں سب نے حسب روایت فوراً" تسلیم کرلیا۔ پھر آج کے موضوع کے عنوان سے عام بحث کا آغاز ہوا۔ قاسم کی رائے تھی کہ ہم فرض ادا کرچکے ہیں آگے جانے کی ضرورت نہیں...!

مگر ممبر اصغر کا خیال تھا کہ ہمیں کافی آگے جانا چاہیے۔ اس کی تائید چند ممبران نے کی۔ بحث کافی دیر چلتی رہی۔ پھر رائے شماری کے بعد طارق نے اعلان کیا کہ اکثریت کی رائے ہے کہ ہمیں پروفیسر کا مزید ساتھ دینا چاہیے۔ اپنی ایجاد کو حکومت سے منظور کروانا پڑے گا تاکہ اس سے غیر مستحق فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ بعد میں اپنی یہ ایجاد اپنے وطن کے لیے وقف کردیں گے۔ پروفیسر کا یہ تحفہ ہم اپنے وطن پر نچھاور کردیں گے۔ سب نے زوردار طریقے سے تالیاں بجائیں۔

پروفیسر نے دو ماہ کے بعد انہیں کامیابی کی اطلاع دی اور وہ پروفیسر کی طرف بھاگے۔ طارق کے مشورے پر جمال نے راستے سے کلو مٹھائی اور پھولوں کا ایک ہار لے لیا۔ جیسے ہی وہ پروفیسر سے ملے ایک ممبر نے انہیں ہار ڈالا اور مٹھائی کا ڈبہ کھول کر ان کے آگے رکھا۔ پروفیسر نے ایک لڈو اٹھا کر منہ میں ڈالا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے "میرے بچو! تمہاری مرضی کے

itsurdu.blogspot.com

مطابق کام ہوگیا ہے!۔ مگر آج طارق نے پھر ایک مسئلہ کی طرف اشارہ کیا اور تھوڑی دیر بعد وہ پروفیسر صاحب کو قائل کر چکے تھے۔ کہ ان کے لیے پروفیسر کو حکومتی رابطے بحال کرنا ہوں گے۔!

اس شام پروفیسر نے ایک اہم ادارے میں فون کیا اور ایک افسر سے رابطے کی خواہش کا اظہار کیا فون کرنے کے ایک گھنٹے بعد پروفیسر اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے حکومتی نمائندوں کو اپنا پروگرام سمجھا رہے تھے اور وہ ہر بات پر "یس سر' یس سر" کہے چلے جا رہے تھے۔

حکومت نے پریس مشینوں کے مالکان کے لیے ایک حکم جاری کیا۔ جس کے مطابق وہ پرچم اور پوسٹر چھاپنے سے پہلے اجازت لینے کے پابند ہوں گے اور جشن آزادی کے لیے یکم اگست سے پہلے پرچم چھاپنے پر پابندی ہوگی۔ ابھی مالکان اس غیر معمولی حکم کو بھی نہ سمجھ پائے تھے کہ راتوں رات پریس مشینیں والے علاقے میں ایک نئی ڈسٹری بیوٹر کمپنی نے ڈیرے ڈال دیے جو ایک مخصوص کیمیکل کی فروخت کا ارادہ رکھتی تھی اور اس کی پبلسٹی ابھی سربستہ راز تھی۔ ان مالکان کو نیا حکم یہ ملا کہ وہ پرچم اور پوسٹر چھاپنے کے لیے ایک مناسب تعداد میں یہ نیا کیمیکل شامل کریں گے! اور ایسا نہ کرنا ناقابل تلافی جرم ہوگا جس پر قید اور جرمانہ دونوں ہو سکیں گے! مالکان کی تنظیموں کے نمائندوں نے جب ضلعی انتظامیہ سے رجوع کیا تو انہیں آف دی ریکارڈ منصوبہ سمجھایا گیا جس کے بعد سب نے تعاون کا یقین دلایا!

پروفیسر محبت عالم ایک وطن پرست انسان تھے یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ ان کی وطن کی جشن آزادی کے چند روز بعد سالگرہ ہوا کرتی تھی اور وہ اس مہینے میں ہمیشہ دو کیک کاٹتے تھے ایک اپنے وطن کا اور ایک اپنی سالگرہ کا!

اور آج وہ اپنے وطن کی سالگرہ کا کیک کاٹ رہے تھے۔ خلاف توقع آج ان کے بہت سارے مہمان تھے۔ جن میں میئر' علاقہ ایم این اے' ایم پی اے اور دو منسٹروں کے علاوہ فرینڈز سوسائٹی کے ممبران اور عہدے داران بھی تھے۔ پروفیسر نے آج پریس کلب میں اپنی ایجاد سے متعلق واقعات اور اسباب پر روشنی ڈالی تھی۔ انہوں نے وزیر ثقافت کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا جن کے تعاون سے وہ اپنی ایجاد کا عملی تجربہ کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

چند دن بعد پروفیسر کی سالگرہ تھی انہوں نے حسب روایت تنہا یہ سالگرہ منانے کا فیصلہ کیا۔ ان کی میز پر ڈھیرے سارے اخبارات موجود تھے۔ اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ

پروفیسر کا بیان اور ان کی ایجاد کے متعلق خبریں شائع کی تھیں۔ پروفیسر نے انکشاف کیا تھا کہ وہ ایسا کیمیکل بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں جو ایک خاص مدت کے بعد کاغذ سے روشنائی کے غائب ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی ایجاد کے عملی تجربے کے بارے میں بتایا کہ اس دفعہ جشن آزادی کے لیے تیار ہونے والی جھنڈیوں اور کاغذ کے پوسٹروں سے رنگ اسی ہفتے اتر جائیں گے کیونکہ ایسا نہ ہونے کی وجہ سے مقدس پرچم کی بے حرمتی اور توہین ہوتی تھی۔ جس سے اجتماعی بے حسی کی فضا جنم لے رہی تھی' پروفیسر نے مزید بتایا کہ اب جھنڈیوں کو گلی گلی اتارنے اور جمع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب یہ پرچم نالوں اور سڑکوں پر نظر نہیں آئے گا کیونکہ پرچموں اور پوسٹروں کی تیاری میں شامل ان کا کیمیکل ایک خاص عرصہ میں رنگوں کو غائب کر دینے کا سبب بن جائے گا۔

پورے ملک نے پروفیسر کو ان کی عظیم ایجاد پر مبارک باد پیش کی تھی اور تجربے کا عملی اظہار محسوس کیا جانے لگا تھا۔ رفتہ رفتہ جھنڈیوں سے رنگ بالکل غائب ہونے لگا اور وہ سفید ہو گئیں! یہ پروفیسر کی بہت بڑی کامیابی تھی! کامیابی کی اسی بازگشت میں پروفیسر اپنی سالگرہ کا کیک کاٹنے والے تھے کہ ان کے خاص ٹیلی فون کی گھنٹی بجی! انہوں نے سی ایل آئی پر دیکھا۔ ان کے لیے فرینڈز سوسائٹی کے دفتر سے فون تھا۔ پروفیسر نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف ریکارڈ پیغام اس کا منتظر تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو پروفیسر! آیئے ہمارے ساتھ باہر کھلی فضا میں.... فضائیں بھی آپ کی کامیابی کے ترانے گا رہی ہیں....!"

پروفیسر ریسیور رکھ کر باہر آئے اور ان کی نظریں بے اختیار اوپر اٹھیں۔

پروفیسر کے بنائے ہوئے روشنی کے میسج بم پھٹ رہے تھے! پروفیسر نے چشمہ صاف کیا اور آسمان پر نظر جما دی۔

دی فرینڈز سوسائٹی کا خراج عقیدت ان کے لیے تھا۔

روشنی کے بم فضا میں لکھ رہے تھے۔

"پروفیسر محبت عالم مبارک ہو۔"

"پروفیسر محبت عالم نئی زندگی کا پہلا دن مبارک۔"

"وطن کی فضائیں آپ کو سلام کہتی ہیں۔"

itsurdu.blogspot.com

"پروفیسر ہم آپ سے پیار کرتے ہیں!"

"آپ کا بہت بہت شکریہ!"

"آپ یقیناً" ایک اچھے پاکستانی ہیں۔"

پروفیسر دیر تک بچوں کے خطوط پڑھتے رہے۔

آج اپنے وطن کے بچوں نے انہیں اس طرح خراج عقیدت پیش کیا تھا کہ ان کی روح سیراب ہوگئی اور خوشی کے آنسوؤں کو آنکھوں میں روکتے ہوئے اندر چلے آئے ..... انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ طالب علم ہیں جسکی بھری جماعت میں حوصلہ افزائی ہو رہی ہے!

پھر پروفیسر نے فون اٹھا کر سوسائٹی کا نمبر ملایا اور پوچھا" آپ سب لوگ کتنی دیر میں میرے گھر پہنچ رہے ہو..... کیونکہ آج اور ابھی میری سالگرہ ہے.."

فیروز پروفیسر کی کار میں بازار چلا گیا اور پروفیسر بے چینی سے اپنے مہمانوں کا انتظار کرنے لگے۔ آج اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ وہ تنہا نہیں ہیں۔

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

ایک مرتبہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ جہاں وہ اعرابی لیٹے ہوئے تھے۔ اس جگہ ایک روشن دان تھا۔ آپؐ نے پوچھا کہ یہ روشندان کس لیے ہے؟ تو وہ بیمار اعرابی بولے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم صبح سویرے باد نسیم یہاں سے آتی ہے اور پرندوں کے نغمے سنائی دیتے ہیں۔ جس سے خاصی فرحت میسر آتی ہے۔ جنابؐ کے خوبصورت ہونٹوں پر مسکان آئی اور وہ طاہر زبان جو بغیر حکم ربی حرکت ہی نہیں کرتی تھی، یوں گویا ہوئی کہ اے اعرابی! کاش تم یہ کہہ دیتے کہ اس روشندان سے علی الصبح جب اذان کی آواز میرے کانوں میں در آتی ہے تو میری طبیعت ازحد خوش ہوتی ہے اور میں نماز کے لیے اٹھتا ہوں۔ تو بروز محشر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا گواہ بن جاتا کہ یہ شخص خداوند قدوس کی نماز کے لیے دی جانے والی اذان پر خوش ہوتا تھا اور یہی تمہاری بخشش کا سبب بنا۔

بہرام اکبر خان لاشاری، بھکر۔

سائنس

رضیہ خانم، سیالکوٹ

سائنس کے کیا کہنے؟..... یہ تمام مضامین پر حاوی ہے۔ روئے زمین پر حاوی ہے۔ اس کا دماغ آسمان سے باتیں کرتا ہے۔ تبھی تو سائنس دان چاند پر پہنچ گئے .... مگر افسوس! سائنس داتوں کو وہاں ملا کچھ نہیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں سونے کے ذخائر ہوں گے ....وہاں بے آب وگیا پتھریلا میدان کھنڈرات قسم کا نظارہ تھا ------ واپسی پر سائنس دان چاند سے مٹی و پتھروں کے نمونے بھی لے آئے تاکہ سند رہے کہ انہوں نے چاند پر واقعی قدم رکھا تھا..... سائنس کی ایجادات وکمالات کا شمار نہیں ---- اس بات کا ملال ضرور ہے کہ سائنسی روبوٹ نے انسانی ہمدردیاں چھین لی ہیں؟ انسان کوئی بے کار چیز نہیں، انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ مگر سائنس دان کو یہ بات "روبوٹ" کی موجودگی میں کون سمجھائے۔؟

فزکس وکیمسٹری: اللہ رکھے، فزکس وکیمسٹری سائنس کی قریبی رشتہ دار ہیں۔ یاں یوں کہہ لیجئے کہ جڑواں بہنیں ہیں۔ ان کا تعلق فارمولاز اور مرکبات کی دنیا سے ہے۔ چونکہ اس دنیا کی تقریباً" ہر چیز کا تعلق کسی نہ کسی فارمولا یا مرکب سے ہے۔ اس لیے یہ بھی زندگی کے ہر شعبے وارض وسما پر چھائی ہوئی ہے۔ مثلاً".... پانی= ہائیڈروجن + آکسیجن

ہوا= Mixture of many gases (بہت سی گیسوں کا مجموعہ) فزکس وکیمسٹری کی مدد سے ہی "بش" فرعون نے افغانستان وعراق پر حملوں کا فارمولا تیار کیا۔

افغانستان کی جنگ= اسامہ بن لادن + ایٹمی ہتھیاروں کی تلاش

عراق کی جنگ = صدام کی معزولی + جراثیمی ہتھیاروں کا سراغ

ویسے راز کی بات ہے کہ امریکہ آقا کے دونوں فارمولے ناکام رہے۔ اسے وہاں کچھ نہیں ملا..... فزکس وکیمسٹری کے کسی نہ کسی فارمولا سے "ایٹم بم" بھی تیار ہوتا ہے۔..... تبھی تو..... آج کل.....طالب علم سائنسی مضامین میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے۔ تعلیمی ادارے لیبارٹریز بھی کم ہی مہیا کر رہے ہیں۔ ہاں ---- تو ---------- اب آپ بھی سوچ سمجھ کر فزکس وکیمسٹری کے مضامین پڑھیں۔ اگر ان مضامین میں زیادہ ترقی کرلی --- تو ------ امریکہ آقا کو فوراً" شک پڑجائے گا کہ کہیں یہ "ایٹم بم" کے فارمولے کی جستجو میں تو نہیں؟..... اگر آپ کی گرفت ہوگئی تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔؟ بے حد شکریہ۔

itsurdu.blogspot.com

چھوٹی سی بات

☆ دیوار میں چنی ہوئی ہر اینٹ دیوار ہے۔ اگر ایک اینٹ نکل جائے تو دیوار دیوار نہیں بلکہ کھنڈر کہلائے گی۔

☆ جل کر کباب ہو جانے سے بہتر ہے کہ انسان کھل کر گلاب ہو جائے۔

☆ جب حقائق سامنے ہوں تو بات کرنا بے کار ہے۔

☆ آپ انسان سے سب کچھ چھین سکتے ہیں مگر اس کے جذبے نہیں۔

راشد مقبول، حاصل پور

اقوال حضرت علی کرم اللہ وجہہ

○ دوست رشتہ دار کی طرح ہے، سچا دوست وہی ہے جو مصیبت میں تیرا حق دوستی ادا کرے۔

○ جس کام میں اللہ کی حکمت معلوم نہ ہو تو اپنے خیالات کو آگے نہ بڑھاؤ۔

○ یقین کی حالت میں سو جانا، شک کی حالت میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

○ دوستوں کو کھونا بھی ایک قسم کی غربت ہے۔

○ پتھر جو کوئی بھی جہاں سے پھینکے، اسے اسی جانب پھینک دو۔

○ صبر دو اقسام کا ہوتا ہے، ایک پسندیدہ باتوں پر، دوسرا ناپسندیدہ باتوں پر۔

محمد یوسف بھٹو، وڑو

اقوال زریں

☐ سچا اور اچھا دوست حاصل کرنا چاہتے ہو تو خود کو اچھا بنانے کی کوشش کرو۔

☐ اگر انسان اپنا نصیب خود بنا سکتا تو دنیا میں کوئی بدنصیب نہ ہوتا۔

☐ بری صحبت سے تنہائی اور تنہائی سے علماء کی صحبت بدرجہا بہتر ہے۔

☐ زبان بند رکھنا سب سے بڑی عبادت ہے۔

☐ اخلاق ایک ایسا ہیرا ہے جو ہر پتھر کو کاٹ دیتا ہے۔

☐ علم دل کو اس طرح زندہ کرتا ہے جس طرح بارش زمین کو۔

☐ اعتماد وہ نازک شیشہ ہے جو ایک مرتبہ ٹوٹ جائے تو پھر نہیں جڑ سکتا۔

چوہدری توقیر طاہر، بکھر بار شاہ پور

خوشی کا زہر

متین الرحمٰن مرتضیٰ

"امی ابھی تو صرف سات بجے ہیں۔ آپ کی نائٹ ڈیوٹی شروع ہونے میں تو ابھی تین گھنٹے پڑے ہیں۔ آپ اتنی جلدی اسپتال جانے کے لیے تیار ہو رہی ہیں؟" سارہ نے ماں کو تیزی سے اپنے کام نمٹاتے دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں جان! ڈیوٹی شروع ہونے میں تو دیر ہے مگر مجھے اپنے ایک مریض کی فکر ہے۔ گزشتہ رات اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اور دیکھو تمہارے ابو ٹیوشن پڑھا کر لوٹیں تو انہیں کھانا گرم کر کے دے دینا۔"

"ان کے آنے سے پہلے ہی نہ سو لینا۔" ہاجرہ نے ہینڈ بیگ سنبھالا اور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر آخری نظر ڈالتے ہوئے اس نے بچوں کو آخری ہدایات دیں۔ "دیکھو بلو بہنوں کو ستانا مت۔ صبح تمہارا امتحان ہے۔ گیارہ بجے تک تمہیں پڑھنا ہے۔ نہ شرارت کرنا ہے اور نہ جلدی سونا ہے۔ اچھا خدا حافظ" ٹھیک ۷ بج کر ۱۰ منٹ پر وہ گھر سے نکل گئی۔

محض دس منٹ بعد اس کا رکشہ گنگا رام اسپتال کے گیٹ پر رکا اور وہ رکشے والے کو جلدی سے پیسوں کی ادائیگی کر کے تیزی سے اپنے وارڈ کی طرف لپکی۔ "اتنی دیر پہلے گھر سے نکل کر بھی رکشہ لینا کیا ضروری تھا۔ بس میں تو آیا جا سکتا تھا؟" اس نے اپنے دل میں سوچا "ہاں مگر کسی مایوس و نامراد کے انتظار کی شدت کو کم کرنے کے لیے ایسا کرنا شاید ضروری تھا۔" خود اس کے اندر سے جواب آیا۔

وارڈ میں شام کے وقت کی معمول کی سی گھٹن تھی۔ یہ وقت مریضوں کے لیے بے چینی اور پریشانی کا ہوتا ہے۔ جو مریض چلنے پھرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ وہ تو عیادت کے لیے آنے

itsurdu.blogspot.com

والے اپنے عزیزوں کے ساتھ برآمدوں میں یا باہر لان میں جا بیٹھتے ہیں مگر جو بستر سے اٹھ نہیں سکتے انہیں بے زاری اور اذیت کے یہ لمحے اپنے بستر پر ہی گزارنے پڑتے ہیں۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی بستر نمبر ۲۸ پر پہنچی۔ ڈیوٹی نرس بوڑھے مریض کو انجکشن دے رہی تھی۔

"اری حاجرہ تم ابھی سے یہاں کہاں؟ تمہاری ڈیوٹی شروع ہونے میں تو ابھی ڈھائی گھنٹے باقی ہیں۔" ڈیوٹی نرس نے حیرت سے اسے تکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ بتاؤ کہ اس بے چارے کا کیا حال ہے؟" حاجرہ نے ڈیوٹی نرس کے سوال کو نظرانداز کر کے اپنا سوال اس کے سامنے رکھ دیا۔

"بس وہی کیفیت ہے۔ ڈاکٹر رب بھی اب تو مایوس دکھائی دیتے ہیں۔"

اس وقت مریض پرسکون اور گہری نیند سویا دکھائی دے رہا تھا۔ پچھلے تین دن سے یہ مریض معمہ بنا ہوا تھا۔ ڈاکٹروں کے ہزار جتن کے باوجود اب تک اسے ہوش نہ آیا تھا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے سکون کے بعد وہ بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگتا تھا اور اس کے چہرے سے اذیت اور تکلیف کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ کبھی کبھی وہ بڑبڑاتا بھی تھا مگر سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس کے چہرے پر اذیت اور کرب کی کیفیتوں میں مایوسی و نامرادی، بے چینی و بیزاری اور وحشتناک انتظار کی جھلک ملتی تھی۔ وہ مندی آنکھوں ہی کے ساتھ ساتھ بار بار تکیے سے اس طرح سر اٹھاتا گویا کسی کے انتظار میں کھلے دروازے کو تک رہا ہو۔ کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ بس اب ہوش میں آجائے گا۔ اب بول پڑے گا مگر اب تک ایسا ہو نہیں سکا تھا۔

یہ اپنی طرح کا کوئی پہلا مریض نہیں تھا۔ یہ اسپتال تھا۔ حاجرہ نے نرس کی حیثیت سے یہاں اپنی دس سالہ سروس میں درجنوں ایسے مریض بھلے چنگے ہوتے یا اسی کیفیت میں اپنے پیاروں کو روتا دھوتا چھوڑ کر رخصت ہوتے دیکھے تھے۔ یہ سب کیفیتیں، یہ سب مناظر حاجرہ کی پیشہ ورانہ زندگی کا معمول تھے مگر اس بوڑھے بے ہوش مریض میں نہ جانے ایسی کونسی غیر معمولی بات تھی کہ جیسے جیسے وقت بیت رہا تھا۔ اس مریض کا خیال اس کے ذہن پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا۔

پچھلے تین دنوں سے وہ اس مریض کے چہرے کو مسلسل گھور رہی تھی۔ چہرہ جانا پہچانا، اپنا

سا، مانوس سا لگتا تھا مگر اپنائیت، قربت اور محبت کے اس دم بدم بڑھتے ہوئے احساس کے باوجود اس سے کوئی رشتہ، کوئی ناتا سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ کون ہے؟ وہ جانا پہچانا کیوں لگ رہا ہے؟ بس یہی سوالات اسے تین دن سے الجھائے ہوئے تھے۔ اسے بڑی شدت سے اس بوڑھے کے ہوش میں آنے کا انتظار تھا تاکہ اسے اپنے سوالوں کا کوئی جواب ملے سکے مگر اپنی ڈیوٹی کا زیادہ سے زیادہ وقت بستر نمبر ۲۸ کے قریب گزارنے کے باوجود اس کے انتظار کے وقفے کے ختم ہونے کی نوبت نہیں آرہی تھی۔

انتظار کے ان اذیت ناک گھڑیوں میں کبھی کبھی اس کی بھولی بسری یادوں کے دیئے جھلملانے لگے اور ان یادوں کے دیئوں کی مدھم روشنی میں اس مریض کے چہرے کی پرچھائیاں لہرانے لگتیں۔ بھول کے دھندلکوں میں چھپے ہوئے بچپن کے مٹے مٹے سے نقوش پردہ تصور پر ہلکے ہلکے ابھر آتے مگر کسی شناخت سے پہلے ہی مٹ جاتے۔

حاجرہ نے ایسے ہی کسی خیال میں گم مریض کے چہرے کو ایک بار پھر غور سے دیکھا مگر وہاں محض حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ ڈیوٹی نرس بھی جا چکی تھی۔ فضا میں ٹھنڈک آگئی تھی۔ اس نے آہستگی سے بے سدھ مریض کو کمبل اڑھایا اور ڈیوٹی روم کی طرف چل دی۔

دفعتاً مریض کے کراہنے کی خفیف سی آواز نے اس کے قدم روک دیئے۔ پلٹ کر دیکھا تو مریض دوسری طرف کروٹ لے چکا تھا۔ وہ خاموشی سے پھر بستر نمبر ۲۸ کے قریب آکھڑی ہوئی۔ مریض نے بڑی بے چینی سے اپنے جسم کو دائیں بائیں حرکت دی۔ چہرے پر اذیت اور بیداری کے ملے جلے آثار تھے۔ اس نے مریض کے کراہنے کی آواز پھر سنی۔

"کیا بات ہے؟ کہیے بابا کیا تکلیف ہے آپ کو؟" حاجرہ نے نہایت ملائمت سے پوچھا۔ سر میں درد ہے کیا؟"

مریض آنکھیں کھولے بغیر کچھ بڑبڑایا۔

"آنکھیں کھولیے اور ذرا اونچی آواز میں بتایئے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" حاجرہ بوڑھے مریض کی نحیف سی بڑبڑاہٹ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

مریض نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی کمزوری اور مایوسی تھی۔

"آپ اس وقت اسپتال میں ہیں۔"

"اسپتال میں!.... لیکن کیوں؟.... مگر ہاں ہاں ٹھیک تو ہے" مریض نے اپنی یادداشت کو

itsurdu.blogspot.com

مرتب کرتے ہوئے کہا "دراصل میں خود ہی اسپتال آرہا تھا لیکن اسپتال کے راستے ہی میں مجھے چکر آگیا تھا۔ میں گر پڑا تھا شاید؟ اور اس کے بعد ....." بوڑھا مریض اس سے آگے کچھ یاد کرنے سے قاصر نظر آتا تھا۔

"اس کے بعد کسی راہ گیر نے آپ کو سڑک پر بے ہوش پڑے پایا تو آپ کو یہاں تک پہنچا دیا اور بس"

حاجرہ نے اس کو سوچ کی الجھن سے نجات دلاتے ہوئے بتایا۔

"لیکن تم کون ہو؟..... تم وہی ہو نا؟" بوڑھا پھر کچھ بھٹک سا گیا۔

"میں نرس ہوں" حاجرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میرا کام آپ جیسے مریضوں کی خدمت کرنا ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے سسٹر" معاف کرنا میں ذرا بھٹک گیا تھا۔ میں بھٹک ہی جاتا ہوں مجھے تم میں وہ نظر آگئی تھی۔ میں کیا کروں مجھے تم جیسے سب چہروں میں اس کا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔ میں کیا کروں۔" مریض نے مایوسی کے عالم میں خود کلامی کے انداز میں سر جھٹکتے ہوئے پھر آنکھیں موند لیں۔

"کون ہے وہ بڑے صاحب! سب کے چہروں میں کس کا چہرہ دکھائی دیتا ہے آپ کو؟" حاجرہ نے نرمی مگر بڑے تجسس کے ساتھ پوچھا۔

"ایک چہرہ ..... میری بچی کا چہرہ..... مجھے تم جیسے سب چہروں میں بس اسی کا چہرہ دکھائی دیتا ہے مگر کیا کروں میرا گمان، میرا وہم، میرا خواب کبھی حقیقت کا روپ نہیں دھارتا وہ تو بس خواب ہی رہتا ہے۔" بوڑھے نے بند آنکھوں کے ساتھ نرس کے سوال کا اس طرح جواب دیا جیسے وہ نرس سے نہیں خود اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہو۔

"کیا ہوا آپ کی بیٹی کو؟ کہاں ہے وہ؟" حاجرہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"یہی تو پتہ نہیں کہاں ہے وہ؟ اسے تلاش کرتے کرتے زندگی کی شام ہوگئی۔ زندہ ہے یا مرگئی! اتنا بھی تو پتا نہیں" بوڑھا مریض فرط غم سے پھر نڈھال ہوگیا۔

"کیا مطلب؟"

"بیٹی یہ المناک کہانی ہے۔ کیا کرو گی میرے دکھوں کو کرید کر۔" بوڑھے نے تھکے ہوئے لہجے میں سرد آہ بھر کر کہا۔

"اچھا! بیٹی کہا ہے تو کیا بیٹی سے اب اپنے دکھ بھی چھپائے جائیں گے" حاجرہ کسی قدر شوخی سے بولی۔

اپنائیت کے اس انداز سے بوڑھا چونک سا گیا۔ اس کے مایوس و نامراد چہرے پر زندگی کی سی چمک دمک آگئی۔ اس نے پوری آنکھیں کھول کر اور سر کو ذرا تکیے سے اٹھا کر اسے تکتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم بالکل ویسی ہی سی تو ہو۔ تم وہی ہو کیا؟"

"مگر آپ جسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس کی کچھ تو تفصیل بتایئے۔"

"بیٹی اب سے اٹھارہ برس پیشتر بٹوارے کے وقت میں دہلی میں رہتا تھا۔ چاندنی چوک میں میری دکان تھی۔ اچھا خاصا کاروبار تھا۔ بٹوارے کے فسادات میں دکان تباہ ہوئی۔ اس روز میں دکان ہی پر تھا جب میری دکان جلائی اور لوٹی گئی۔ بس میں بچ گیا۔ مجھے گھر کی فکر ہوئی۔ گھر میں میری ماں، بے اولاد بیوہ بہن بیوی اور میری نوسالہ بیٹی تھیں۔ دکان کی تباہی کے بعد بچ بچا کر بڑی دقت سے گھر کی طرف بھاگا تو محلے میں ایک کہرام برپا تھا۔ ہر طرف آگ اور دھواں تھا۔ پولیس اور فوج نے پورا علاقہ گھیرے میں لے رکھا تھا۔ محلے پر سے قیامت گزر چکی تھی۔ گھر میں کچھ نہ بچا تھا۔ اماں اور بہن کی ادھ جلی لاشیں بھی دیکھیں لیکن بیوی اور بچی کا کوئی سراغ نہ لگا..." بوڑھا فرط غم سے نڈھال سا ہو کر پھر چپ ہوگیا۔

حاجرہ کے چہرے پر وحشت ناچ رہی تھی۔ وہ بالکل مبہوت تھی۔ اس کی یادوں کے چراغوں کی لو رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی۔ بھول کے دھندلکوں میں چھپے ہوئے بچپن کی بہت سی مٹی مٹی یادیں واضح ہو رہی تھیں۔ معمہ کچھ کچھ حل ہو رہا تھا۔ بوڑھے کی خاموشی نے اسے چونکا دیا اور اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر کچھ پتا چلا آپ کی بیوی اور بیٹی کہاں گئیں؟"

"بس اماں اور بہن کی لاشیں دیکھ کر اور بیوی اور بیٹی کو نا پا کر مجھے جنون سا طاری ہوگیا۔ میں چیخنے چلانے اور رونے لگا۔ فوجیوں نے مجھے سنبھالا اور جیسے تیسے مجھے اس کیمپ میں پہنچا دیا۔ جہاں میری طرح رونے اور چیخنے والے سینکڑوں ہزاروں تھے۔ وہاں شناسا چہرے بھی تھے اور اجنبی بھی۔ میں دیوانہ وار ہر شناسا اور اجنبی سے اپنی بیوی اور بچی کے بارے میں پوچھتا تھا لیکن کہیں سے کچھ پتا نہ چلا۔" بوڑھا پھر چپ ہوگیا۔

itsurdu.blogspot.com

"پھر!" حاجرہ اسے چپ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ اس کے کان بوڑھے کی آواز پر تھے اور اس کا ذہن اس کے اپنے ماضی کو کھنگال رہا تھا۔ بوڑھے کی طرف سے اماں' بہن' بیوی اور بیٹی چار افراد کے حوالے نے بہت کچھ واضح کردیا تھا۔ یہ حوالہ معمے کی کنجی تھی۔ تین دن سے اس بوڑھے کا چہرہ اسے مانوس دیکھا بھالا سا لگ رہا تھا مگر یہ معمہ اس سے حل نہیں ہو رہا تھا کہ اپنائیت' قربت اور محبت کے اس احساس کی بنیاد کون سا رشتہ تاتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے تک وہ جس کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی۔ اب وہ کافی حد تک اسے پہچان چکی تھی' لیکن وہ اپنے جذبات پر حاوی رہی۔ وہ اپنی پہچان کی مکمل تصدیق چاہتی تھی اور اس لیے بوڑھے کو چپ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

"کیمپ بہت بڑا تھا۔ بڑی لمبی چوڑی بستی تھی۔ میں روز کیمپ میں مارا مارا پھرتا تھا۔ تیسرے چوتھے روز میں کیمپ کی ڈسپنسری کی طرف گیا تو ایک طرف چھوٹا سا ہجوم دیکھا۔ ہجوم کے اندر جھانکا تو میری ہی بیوی فرش پر بے ہوش پڑی تھی اور ڈاکٹر اس ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا اور بہت سے لوگ اطراف میں کھڑے تھے۔ کسی نے کہا...."بے چاری لاوارث ہے۔ مرگی کے دورے پڑے ہیں شاید۔" بہرحال ڈاکٹر کی کوشش سے اور میری آواز سن کر اسے ہوش آگیا۔ مگر بچی کا اسے بھی کوئی علم نہیں تھا۔ مجھے زندہ دیکھ کر وہ کسی قدر مطمئن ہوئی۔

کیمپ سے نکل کر ہمیں جیسے تیسے پاکستان پہنچا دیا گیا۔ اس لاہور میں اور پاکستان میں ہر اس جگہ جہاں دہلی سے آنے والوں کا پتا چلتا تھا ہم میاں بیوی پہنچتے تھے مگر بچی کا سراغ کہیں نہ لگا۔ ماں بچی کی جدائی کا یہ غم زیادہ دنوں نہ جھیل سکی اور اس غم میں گھل گھل کر اسی گنگا رام اسپتال میں اس نے دم توڑ دیا۔ اماں نہیں رہیں۔ بہن چلی گئی اور بیوی بھی ساتھ چھوڑ گئی۔ بچی کا کچھ پتا نہ چلا۔ میری دنیا اندھیر تھی۔ بیوی کا آخری سہارا چھن جانے کے بعد میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا۔ برسوں اپنا آپ سے اور دنیا سے غافل رہا۔ سکون سے رہا مگر ڈاکٹروں نے مجھ پر رحم نہ کیا اور اپنی مسلسل جدوجہد کا بعد مجھے ذہنی طور پر بھلا چنگا کر کے پچھلے تین سال سے پھر رنج والم سہنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ ہفتے میں ایک آدھ بار میں اس گنگا رام اسپتال ضرور آتا ہوں جہاں ایسے ہی ایک وارڈ میں مجھ سے میرا آخری سہارا چھنا تھا۔ بس اسی دن بھی معمول کے مطابق اسپتال ہی آرہا تھا کہ راستے میں چکر آیا اور میں گر پڑا۔" بوڑھا اپنی داستان

الم ختم کر کے پھر چپ ہوگیا۔

"آپ کی بیٹی کا نام کیا تھا؟"

"حاجرہ تھا اس کا نام۔"

"آہ! بابا میں وہی حاجرہ ہوں جس نے آپ کو اس قدر تکلیف دی۔" حاجرہ کا بندضبط ٹوٹ گیا اور اس نے اپنا آنسوؤں بھرا چہرہ بوڑھے کے سینے پر رکھ دیا۔

"حاجرہ ہو تم! تم وہی ہو؟....واقعی؟ میری بچی" بوڑھے نے پوری توانائی' جوش اور وارفتگی سے اس کے سر کو اپنے سینے اور بازوؤں میں چھپا لیا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد بازوؤں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ حاجرہ سیدھی بیٹھ گئی۔

بوڑھے کے چہرے پر اطمینان اور خوشی تھی مگر اس کی گردن ڈھلک چکی تھی۔ شادی مرگ نے اسے اپنی حاجرہ کی پتا سننے کی بھی مہلت نہ دی تھی۔ خوشی اور مسرت کا زہر اس کے بدن کو ٹھنڈا کر چکا تھا۔

محبت

☆ محبت دولت سے ہو تو مرض بن جاتی ہے۔
☆ محبت خدا سے ہو تو بندگی بن جاتی ہے۔
☆ محبت انسان سے ہو تو زندگی بن جاتی ہے۔
☆ محبت استاد سے ہو تو روشنی بن جاتی ہے۔
☆ محبت والدین سے ہو تو عبادت بن جاتی ہے۔

ناہید علی' کچہ موڑ' اسلام آباد

انسان کا مقصد

☆ کائنات کی تمام مخلوق انسان کی خدمت کے لیے بنائی اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے بنایا۔ قرآن کریم میں فرمایا "میں نے انس وجن کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔"

محمد پیرال میرانی' سکھر

itsurdu.blogspot.com

سنہرا اصول

ایک دوست کو مرغابی کی مانند نہیں ہونا چاہیے جو کہ تالاب کے خشک ہونے پر دوسرے تالاب کا رخ کرلیتی ہے۔ بلکہ کنول کے پھول کی مانند ہونا چاہیے جو تالاب کے خشک ہونے پر مرجھا کر ختم ہوجاتا ہے۔

ملک بہادر خان، بکھر بار

اقوال زریں

☆ علم رکھنے والے اور بے علم لوگ برابر نہیں ہیں (قرآن مجید)
☆ عمدہ تعلیم بہترین زیور ہے۔(حضرت سلیمان)
☆ علم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔(قائداعظم)
☆ علم کے لیے جان کو شمع کی طرح گھلاؤ کیونکہ بے علم خدا کو نہیں پہچان سکتا۔(شیخ سعدی)
☆ علم کی خوبی اس پر عمل کرنے میں ہے۔(حضرت علیؓ)

نصیر امین، نربت

اقوال زریں

○ آپ اگر سیکھنا چاہیں تو آپ کی ہر غلطی آپ کوئی نہ کوئی سبق دے سکتی ہے۔
○ زندگی پیار کا نام ہے۔ ہر وقت چہرے پر کومل سی مسکان کے ساتھ بات کریں۔
○ ایک مسکراہٹ ہی دوستی کا بہانہ ہوتی ہے۔
○ لوگوں سے پیار۔ محبت کریں لوگ یہی عمل آپ سے کریں گے۔

وشدل خان، شاپک

آنسو

"آنسو ایک چھوٹا سا قطرہ ہے وہ دکھ اور تکلیف کے تمام احساس کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے۔ کبھی غم میں شریک ہوکر تو کبھی خوشی میں ساتھ دیتا ہے۔ وہ نہ کسی سے شکوہ کرتا ہے اور نہ ہی گلہ کرتا ہے۔ لیکن جب بھی بہتا ہے ایک نئی تازگی اور چمک کے ساتھ بہتا ہے اور اس طرح انسان کا دکھ درد بانٹ لیتا ہے۔"

صبا ارشد شیخ، بلدیہ ٹاؤن کراچی

غمِ سرپرست

ظفر محمود انجم

سرپرست کدھر کو گیا ہے
بابِ زندگی کا کھو گیا ہے
شفقت سے محروم ہو گیا ہے

ماہنامہ انوکھی کہانیاں

بندہ وہ البیلا تھا
اس نے اس کا دکھ جھیلا تھا
جس کی گود میں یہ کھیلا تھا

ماہنامہ انوکھی کہانیاں

یاد کرتا ہے اُس کی باتیں
اچھے دن اور اچھی راتیں
کھاتا تھا ہر روز سوغاتیں

ماہنامہ انوکھی کہانیاں

دردِ ہجر سہہ گیا ہے
جگ میں تنہا رہ گیا ہے
بن کر آنسو بہہ گیا ہے

ماہنامہ انوکھی کہانیاں

itsurdu.blogspot.com

نگر نگر کے خطوط

محبوب الٰہی مخمور

○ سب سے بہترین خط عبدالسلام مگسی کو تحفہ بھیجا جارہا ہے۔(ادارہ)

✪ **صباء مظفر شاہ فیصل کالونی کراچی:** انوکھی کہانیاں کا جون کا شمارہ ۳۱ مئی کو ہی مل گیا۔ سرورق بہت خوبصورت تھا۔ کسی دوسرے سیارے کا منظر لگ رہا تھا۔ کہانیوں میں "دوزخ" کی قسط بہت اچھی تھی۔ طلسم کدہ اور صبح سے پہلے زبردست تحریریں تھیں۔ باقی سب کچھ بھی اچھا تھا۔

✪ **محمد ہارون، واہ کینٹ:** سرورق پر کچھ ساتھیوں نے تبصرہ کیا ہے کہ سرورق عجیب سا ہوتا ہے تو عرض ہے کہ انوکھی کہانیاں کا سرورق انوکھا ہی ہوگا۔ اداریے میں محنت کی تلقین کی گئی تھیں۔ انتقام انسانوی تحریر تھی۔ علمدار حسین بلوچ نے تبصروں کی جنگ میں قلم کے ہتھیار سے لاتعداد خطوط کو پیچھے چھوڑ دیا ویسے راز کی بات بتائیں کہ آپ دماغ کی طاقت کے لیے کون سا معجون استعمال کرتے ہیں۔ رشید ارشد صاحب اور آصف قادری صاحب میرے شہر کے ہیں میں ان کے پتہ سے لاعلم ہوں۔ مہربانی فرما کر آپ لوگ پسند کریں تو اپنے ایڈریس سے آگاہ کریں۔ میں ملاقات کا متمنی ہوں۔ میرا پتہ یہ ہے۔ I-F ایریا، I-F-24 واہ کینٹ۔ مجھے کتابوں سے دلی لگاؤ ہے۔ فیصر میرا دوست ہے۔

✪ **نعمان مظفر، شاہ فیصل کالونی کراچی:** انوکھی کہانیاں جیسے سرورق کسی اور رسالے میں نہیں ہوتے اسی لیے انوکھی کہانیاں کافی مقبول ہے۔ ڈاک بابو ایک موٹا تھیلا اٹھا کر بھاگ رہے تھے۔ طلسم کدہ ڈرونی تحریر تھی۔ آخری صفحات پر نوشاد عادل موجود تھے۔ آپ یہ اچھا کرتے ہیں۔ کہ پچھلی قسطوں کا خلاصہ دے دیتے ہیں۔

✪ **محمد مشتاق حسین قادری، کراچی:** ماشاء اللہ اس دفعہ کی تمام کہانیاں ایک دوسرے سے بڑھ کر ایک تھیں اور ٹائیٹل بھی بہت خوبصورت تھا۔ جب میں نے الٰہی بخش چشتی صاحب کے انتقال کی خبر انوکھی کہانیاں میں پڑھی ساتھ ہی تصویر کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔ جو کہ میری پہلی زیارت گاہ تھی۔ بس میری دعا ہے اللہ تعالیٰ سے الٰہی بخش چشتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور یہ بھی دعا ہے کہ الٰہی بخش چشتی صاحب کے صاحبزادوں کی عمر دراز فرمائے اور انوکھی کہانیاں کا سلسلہ رواں دواں رہے اور قیامت تک جاری رہے۔

✪ **امان اللہ نیر شوکت، ڈیفنس لاہور:** آپ کے والد بزرگوار الٰہی بخش چشتی صاحب کی رحلت کا علم رسالے کے ذریعے ہوا۔ اللہ والدین کے شفیق سایہ سے کسی کو محروم نہ کرے بے شک وہ آج بھی آپ کے دل میں بستے ہیں۔ ان کی حسین یادیں آپ کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔ اللہ آپ کے والد بزرگوار کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ میں اور میرے گھر والے آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

انوکھی کہانیاں شمارہ جون کی اعزازی کاپی موصول ہوگئی ہے۔ حمد باری تعالیٰ اور نظم محبت کی اشاعت کے لیے ممنون ہوں۔ سرورق خوبصورت اور پرکشش ہے۔ "عظمت کے مینار" روح پرور تحریر ہے۔ حضرت زید بن حارثہ کی مقام موتہ پر جواں مردی کا مظاہرہ قابل تحسین ہے۔ حرف زر، صبح سے پہلے اور دوزخ کی تیسری قسط پڑھ کر میرے بچے بہت محظوظ ہوئے ہیں۔ رسالے میں دلچسپ معلومات کا سلسلہ خوب ہے۔ ان سے بچوں کو بہت سی اہم باتوں کا علم ہوجاتا ہے۔ منظوم کہانی "اچھی بچی" میں سبق آموز باتیں ہیں۔ رسالے کی شروعات حمد اور نعت سے کرکے آپ بہت اچھا کرتے ہیں۔ میری حقیر رائے ہے کہ ہر ماہ انوکھی کہانیاں میں ایک صفحہ بچوں کے ادیبوں کے لیے وقف کیا جائے۔ مختصر تعارف تصویر کے ساتھ ہو۔ ادبی لائن میں کب سے ہیں۔ پڑھنے والوں کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں صفحات پر پورا پورا لکھا کریں۔ رسالے کی جاذبیت میں گونا گوں اضافہ ہوگا۔ صفحات تھرے نظر آئیں گے۔

✪ **اقبال احمد فریدی، ظاہر پیر:** رسالہ بہت اچھا ہے ٹائٹل خوبصورت تھا۔ طلسم کدہ بہت اچھی تحریر تھی

✪ **محمد محسن شہزاد، نور پور نورنگا:** ماہ جون کا انوکھی کہانیاں ایک خلاباز اور سیارے کی دلکش تصویر کے ہمراہ ملا۔ اداریے میں اچھی مثال دی گئی۔ حمد و نعت شاندار تھیں۔ آخری موقع ارشاد حسین کی معیاری تحریر تھی۔ طلسم کدہ میں طلسم ہی طلسم تھا۔ دوزخ نے رونگٹے کھڑے کردیے۔

itsurdu.blogspot.com

رضیہ خانم، سیالکوٹ: یادش بخیر! انوکھی کہانیاں ماشاء اللہ کافی تیز ہوگیا ہے۔ ۲ جون کو ہی پہنچ گیا۔ یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ اس میگزین کا تاثیل برہاہ انوکھا ومنفرد انداز کا ہوتا ہے۔ ہمیں تو اس کا تاثیل "حیرت کدہ" لگا۔ مخمور بھائی نے اداریہ میں بڑے کام کی بات کہی ہے کہ ہر چیز یا ہر تصویر کے دو رخ ہوتے ہیں۔ اب یہ آپ کے ذہن کی سوچ کا انداز ہے کہ کس رخ کو کیسے قبول کرتا ہے؟..... بعض لوگ برائی میں بھی کوئی نہ کوئی نصیحت آمیز پہلو نکال لیتے ہیں ------ اور ------ بعض اللہ رکھے، اچھی بھلی چیزوں میں خامیاں نکالنا شروع کردیتے ہیں۔ مزاج اپنا اپنا، ذوق اپنا اپنا! حمد باری تعالیٰ تو سمندر کی طرح بے کنار ہے۔ عظمت کے مینار میں حضرت زید بن حارث کے انتخاب نے ہماری معلومات میں واقعی اضافہ ہوا۔ "آخری موقع ------" جی ہاں! کسی وقت اللہ تعالیٰ کو ہماری چھوٹی سے نیکی کی ادا پسند آجاتی ہے۔ جس کے بدلے ہماری خطاؤں کی معافی ہوجاتی ہے۔ جیسے نکولسن کے ساتھ ہوا ------ چھوٹی سے نیکی کے بدلے نکولسن ایک نیا انسان بن گیا، غریبوں سے محبت ومدد کرنے والا ------! قارئین کے لیے اصلاحی تحریر تھی۔ "طلسم کدہ" ------ یہ تحریر اس انداز سے بیان کی گئی ہے جیسے اس کے ہیرو خود عرفان رامے ہوں۔ اب ان کی تحریروں میں خاصا نکھار وپختگی آگئی ہے۔ ان کی ہر تحریر میں معاشرے میں اصلاح کا کوئی نہ کوئی نکتہ و مسئلہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ جیسے اس تحریر میں دور دراز علاقوں میں طبی وتعلیمی سہولیات کی فراہمی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس کا اختتام بھی ویسا ہی تھا۔ "لڑکا ویسٹرے" آصف جاوید سکندر۔ "حرف زر" عبدالسلام گمسی ------ اسلامی ومردہ ضمیروں کو بیدار کرنے کے لیے بہتر انتخاب وٹانک تھا۔ "درخت" نظم اچھی وکچھ کچھ معیاری تھی۔ یہ نظم بچوں کے لیے پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ "صبح سے پہلے" میر شاہد حسین! آزادی کشمیر کے لیے لڑی جانے والی جنگ کے بارے میں فکر انگیز تحریر تھی۔ نوشاد عادل بھائی! "دوزخ" جیسا نام، ویسی منظر کشی! دوزخ تو پھر دوزخ ہی ہے۔ یہاں ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے تو نہیں ہوسکتے۔ ....شاید.....دوزخ .....کی.....اس دہشت سے ..... لوگ نیک وپرہیز گار بن جائیں!" حفصہ نصیر احمد نے "دوزخ" کی دہشت وخوف کے بعد "السلام علیکم سر" کی تحریر نے دماغ کو ذرا فریش کردیا۔ "ڈاک بابو" یہ سب قارئین، دوست واحباب کی جاندار محفل ہے۔ خواتین کی شمولیت اس محفل کی رونق کو مزید بڑھا رہی ہے۔ کرن کرن اجالا، میرے پسندیدہ اشعار، قلمی خبرنامہ، باتوں سے خوشبو آئے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ یہ سب منی منی تحریریں موسم برسات میں انوکھی کہانیاں کے نیلے آکاش پر گھنگھور وکالی گھٹائیں ہیں ------ پھر ان کالی گھٹاؤں ------ ٹھنڈی ہواؤں ------ رم جھم پھوار سے سبھی قارئین لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ہے نا سچ؟

رومائلیسا افتخار، جیکب آباد: کم وبیش سات آٹھ ماہ سے آپ کا رسالہ پڑھتی رہی ہوں۔ دوسری

دفعہ آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ میں ایک اسپیشل لڑکی ہوں۔ یقین کیجیے آپ کا رسالہ (ناراض نہیں ہوئے گا) نومبر کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ یہ میری رائے ہے۔ دوسروں کی پتہ نہیں کیا رائے ہے۔ مگر دوسرے تمام رسالوں سے آپ کا رسالہ نمبرون ہے۔ تمام ہی کہانیاں بہترین بلکہ بہت ہی بہترین ہیں۔ کس کس کو اچھا کہا جائے۔ اگر ہوسکے تو اس کے صفحات بڑھا کر قیمت ۲۰ روپیہ کردیں۔

اجیت کمار راجہ، کوئٹہ: جون کے شمارے کا سرورق ہمیشہ کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بہت خوب تھا۔ اداریہ سے یہ سبق ملا کہ ہمیں اپنے قوت بازو سے حلال روزی کمانی چاہیے۔ حمد اور نعت بہت خوب تھے۔ بار بار پڑھنے کو جی چاہ رہا تھا۔ عظمت کے مینار میں اس دفعہ حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں معلومات تھی۔ آخری موقع تحریر ایک سبق آموز کہانی تھی۔ یہ زندگی ہمارے لیے ایک امتحان ہے۔ جس میں ہم نے اچھے اور نیک کام کرکے پاس ہونا ہے۔ واقعی ہمارے لیے یہ آخری موقع ہے۔ درخت ہم انسانوں کے لیے بہت سارے کام آتے ہیں۔ ڈاک بابو ہمیشہ کی طرح دوستوں کے پیارے پیارے خطوط سے مزین تھا۔ محمد عرفان رامے کی تحریر طلسم کدہ ایک جاندار تحریر تھی۔ کرن کرن اجالا ڈھیر ساری روشنی بکھیر رہا تھا۔ اچھی اچھی نظم بہت پسند آئی۔ میرے پسندیدہ اشعار میں ایڈیٹر صاحب نے اچھے اشعار کا انتخاب کیا تھا۔

عباس علی مونی، کراچی: میں انوکھی کہانیاں کا نیا قاری ہوں۔ جون کا انوکھی کہانیاں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ یقین کریں رسالہ انوکھی کہانیاں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اتنی کہ بیان نہیں کرسکتا اس میں جو سلسلے مجھے پسند آئے ان میں قلمی دوستی، ڈاک بابو، عظمت کے مینار، کرن کرن اجالا، میرے پسندیدہ اشعار، باتوں سے خوشبو آئے، اور قلمی خبرنامہ یہ سلسلے بہت اچھے ہیں۔ جبکہ کہانیوں میں آخری موقع، طلسم کدہ، دوزخ ٹوپ پر رہی۔ مجھے علم ہی نہیں تھا کہ اتنا اچھا رسالہ بھی ہمارے ملک میں موجود ہے۔

ایم شفیق تبسم، مگھر پار: جون کا رسالہ کافی شاندار تھا۔ دوزخ سب سے زیادہ پسند آئی۔

ارشاد حسین، جام پور: جون کی سخت گرمی میں ٹھنڈک کا احساس اس وقت ہوا جب انوکھی کہانیاں کا تازہ شمارہ ملا۔ سرورق حسب معمول سائنٹیفک تھا۔ "اداریہ" مختصر مگر پراثر تھا۔ امان اللہ نیر شوکت کی لکھی ہوئی "حمد" پڑھ کر مستفید ہوئے۔ نعت مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر دل نور کی روشنی سے منور ہوگیا۔ حضرت زید بن حارثہ کے متعلق سید آصف جاوید نقوی کا مضمون پڑھ کر خاطر خواہ معلومات میں اضافہ ہوا۔ "ہوئیں نسبتیں اس کو الٰہی بخش چشتی سے" اور "درخت" دونوں نظمیں پڑھنے کے بعد محفل دوستاں یعنی ڈاک بابو کا مطالعہ کیا۔ ڈاک بابو اس مرتبہ ۱۳ صفحات پر پھیلا ہوا تھا۔ ہما مان بٹ، علمدار حسین، عبدالسلام گمسی اور ساجد حسین ساجد کے تبصرے زبردست تھے۔ "طلسم کدہ" محمد عرفان رامے کی تحریر نے ہمیں خوف کے سمندر میں ڈبو دیا..... عرفان بھائی ہم مان گئے کہ آپ خوفناک کہانیاں بھی لکھ سکتے

itsurdu.blogspot.com

ہیں۔ کرن کرن اجالا سکڑتا جارہا ہے۔ قارئین اسے مزید بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ دوزخ کی تیسری قسط بھی خوف اور دہشت کے واقعات سے لبریز تھی۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔

✪ **کامران حسین جاذب:** بہت عرصہ تک تعلیمی اور معاشرتی مصروفیات کی وجہ سے میرا ادبی دنیا سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ انوکھی کہانیاں کے پرانے شمارے دیکھ کر یاد آیا کہ کبھی ہم بھی ان سے آشنا تھے۔ پرانے شمارے کے ذریعے اکمل الٰہی بخش کی وفات کی خبر سن کر دھچکا لگا۔ ایسی عظیم ادبی شخصیت کی موت واقعی سب کے لیے ایک غم ناک بات تھی لیکن موت کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔ یہ ہم سے ہمارے عزیز رشتے منٹوں سیکنڈوں میں چھین کر لے جاتی ہے۔ اللہ اکمل جیسی اچھی ہستی کو اپنی رحمت سے جوار رحمت میں جگہ دے۔ لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

✪ **محمد قاسم کھوسہ، جعفر آباد:** یہ کہنا غلط ہوگا کہ میں نیا قاری ہوں۔ دو تین سال قبل میں خطوط وغیرہ لکھتا رہا ہوں۔ امان اللہ صاحب اور سید اشرف بیتھوی صاحب کی حمد و نعت نے جو کیفیت وجود پر طاری کی اس کا احاطہ لفظوں میں مشکل ہے۔ اور یہ جذبہ اس وقت تو انتہا کو پہنچا جبکہ نعت کا آخری شعر نظروں سے گزرا۔ "عظمت کے مینار" میں جس طرح سے سید آصف جاوید نقوی صاحب نے اسلام کے ابتدائی دور کا نقشہ کھینچا ہے کہ ایک لمحہ تو احساس ہوتا ہے کہ پڑھنے والا خود اس دور میں شامل حال ہے۔ اور یہ خواہش انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ آقا و دوجہاں پر قربان ہوجائے۔ دوستوں کے خطوط کی محفل میں جب بھائی تو نہایت ہی خوشی ہوئی کیونکہ وہی نوک جھونک وہی شرارتیں وہی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جذبہ۔ وہی گلے شکوے وہی اصلاحی تنقید ساجد حسین ساجد صاحب کا خط واقعی ڈاک بابو کے آسمان پر آفتاب ضوفشاں کی طرح چمکا رہا تھا۔ ساجد صاحب میری جانب سے مبارک باد قبول ہو۔ اور ایم صفدر اقبال شاہین نے اپنے تعارف میں سترہ بہار دیکھنے کا دعویٰ کیا جو ہمیں نہایت اچھا لگا ہماری بھی یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی ہزاروں نہیں تو کم از کم بیسوں بہاریں ضرور دکھائے۔ (آمین) گل صابین صاحب فرما رہی تھیں کہ ان کے بھائی نے انہیں بتایا ہے کہ انوکھی کہانیاں میں ولپسپ کہانیاں سی ہیں۔ کیوں کیا انہیں خود یقین نہیں آیا! منیر احمد بلوچ صاحب ہمارے معاشرے میں دوسری دنیا سے کچھ اور مطلب لیا جاتا ہے اور تصوراتی دنیا بھی نکلے لوگوں کا کام ہے اس لیے عرض ہے کہ ان دنیاؤں سے باہر نکل آئیں اور عمل کے میدان میں کچھ کر دکھائیں۔ کیوں اے آر بلوچ صاحب آپ انوکھی کہانیاں کے خزانے سے کچھ چرانے کے تاک میں تھے کہ آپ کو مخمور بھائی کے گاؤ اچھے نہیں لگے۔ کہانیوں میں نوشاد عادل صاحب کا "دوزخ" اپنی مثال آپ تھا کیونکہ اس میں عام حالت سے ہٹ کر زندگی کی تصویر کشی نہایت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

✪ **عبدالسلام مگسی، ڈیرہ اللہ یار:** انوکھی کہانیاں واحد پرچہ ہے۔ جس میں ہر طبقہ فکر کے لیے مناسب اور اخلاقی تحاریر شائع ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلسل اس کے چاہنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔ انوکھی کہانیاں کے مستقل سلسلے قارئین کو بہت پسند ہیں۔ بالخصوص ڈاک بابو جس میں دوستوں کی آپس میں قلمی ملاقات ہوتی ہے۔ ویسے انوکھی کہانیاں ایسا رسالہ ہے جس میں ادب کی دیگر اصناف کے ساتھ تبصرہ نگاری پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔ جو خوش آئند بات ہے۔ .....اب کی بار جون کے شمارے پہ تبصرہ کرنے کے بجائے گذشتہ چھ شماروں پر مجموعی طور پر تبصرہ کی کوشش کررہا ہوں۔ میری ہر ممکن کوشش رہی کہ مصنف حضرات و عنوانات کو حروف تہجی کی ترتیب سے پیش کروں۔ امید ہے اس سلسلے کو پسند کریں گے۔ سب سے پہلے نظموں پہ نظر دوڑاتے ہیں۔ جنوری ۲۰۰۳ء میں آٹھ نظمیں، فروری میں چھ، مارچ میں چار، اپریل میں چھ جبکہ مئی میں چار اور جون کے شمارے میں چھ نظمیں موجود تھیں۔ مجموعی طور پر ان کی تعداد چھتیس بنتی ہیں۔ جن میں آٹھ حمد اور چھ نعت شامل ہیں۔ بقیہ بائیس نظمیں مختلف موضوعات پر تھیں۔ اچھی لگی، اللہ، اللہ..... ایک .....اکیلا، انوکھی کہانیاں پہ منظوم تبصرہ، اے خدا، ایک امت کا نغمہ گائیں، ایک لومڑی اور کوا، اے میرے خدا، بھنڈی توری، پھول، حمد تین عدد، درخت، دیکھنے کے قابل ہے، دیواریں، رب کا سلام، سرسید احمد خان، صدا آئی، کشمیر، گرمی کا موسم، گیس کا غبارہ، محبت، موسم بہار، میں کشمیر کا بچہ ہوں، نعت چار عدد، نمک پاش سجائیں، نوائے تلخ، نوری باتیں، نیا سال، ورلڈ کپ ہار کے، ہوئیں نسبتیں ان سے اور یوم پاکستان کے عنوانات سے نظمیں تھیں۔ شاعر حضرات میں چھ نظموں کی بدولت رشید ارشد پہلے، پانچ نظموں کی وجہ سے سید اشرف بیتھوی دوسرے اور آصف قادری، امان اللہ نیر شوکت، حکیم خان حکیم، رخسانہ نقوی، ظفر محمود انجم، محمد انوار احمد اور محمد عثمان دو دو نظموں کی بدولت تیسرے نمبر پر براجمان ہیں۔ جبکہ آصف تیموری، آصف جاوید سکندر، ادیب سمیع چن اکبر آبادی، افق دہلوی، رئیس راحت عباس، عبداللہ شجاع، غلام رضا جعفری، قاضی راشد محمود، محمد افتخار عالم، مشتاق حسین قادری اور نجیب محبوب ایک ایک نظم شائع کرانے میں کامیاب ہوئے۔ آصف جاوید سکندر واحد شاعر ہیں جنہوں نے صدا آئی کے عنوان سے آزاد نظم تخلیق کی۔ اداریے پہ بھی ایک نظر ہوجائے تو بہتر ہے۔ محبوب الٰہی مخمور نے سب سے طویل اداریہ چھبیس سطور کا جنوری کے شمارے میں لکھا جب کہ مختصر ترین اداریہ مئی کا ہے جو اکیس سطور پر مشتمل ہے۔ اب ذرا نگاہ ادیب حضرات کی کارکردگی پہ ڈالتے ہیں۔ جن کی حیثیت رسالے میں سلسلہ ہے۔ کہانیوں کی کل تعداد چالیس بنتی ہیں۔ جنوری نو، فروری چھ، مارچ آٹھ، اپریل چھ، مئی سات اور جون کے شمارے میں چار کہانیاں شائع ہوئیں تھیں۔ ادیب حضرات نے درج ذیل عنوانات پہ طبع آزمائی کی۔ آخری راستہ، آخری موقع، انکھیں، احساس، اصل منزل، الجھن، انتقام، بہادر لڑکا، بسلول

itsurdu.blogspot.com

عاقل ' تیرا کرم مولا ' تیز آندھیوں میں جلتا دیا ' جرم و سزا ' جدید آرٹ ' جذبہ ' چوری کی روشنی ' حویلی کا راز ' راہ نما ' روشنی کا سفر ' دوزخ تین اقساط ' سعادت مند ' صبح سے پہلے ' طلسم کدہ ' عظیم شہباز ' عقابی روح ' فسادی ' قارون کا خزانہ ' قول و عمل ' کھڑکی ' کیا دل نے کہا؟ لڑکا اور لیٹرا ' موت کا کھیل ' مقناطیسہ ' میرا مخالف میرا حامی ' ناقابل شکست ' نشان عبرت ' نئی صبح دو اقساط ' نیکی کا سایہ ' واپسی ' ہتھیار اور ہماری آنکھ ' عرفان رامے ' پانچ تحریروں کی بدولت سرفہرست ہیں ۔ جبکہ آصف جاوید سکندر ' طارق ریاض ' سعید عباس ' محمد شعیب خان اور یاسمین حفیظ دو ' دو تحاریر کی تحاریر بدولت دوسرے نمبر پر ہیں ۔ ارشاد حسین ' الطاف حسین ' پیر نوید شاہ ' راحت عباس ' ذکیہ بلگرامی ' سلطان شہزاد ' سیدہ کرن زہرا ' شاہد جمیل ' شعیب اظہر ' عطاء المصطفیٰ سعید ' علمدار بلوچ ' غازی مختار ' غلام رضا جعفری ' غلام مرتضیٰ ' نائلہ بختیار ' نوشاد عادل ' محمد شعیب خانزادہ ' شعیب مرزا ' محمد عثمان ' محمد عثمان خان ' محمد ہارون ' محمد یوسف بھٹو ' میر شاہد حسین ' مظہر یوسف زئی اور ہارون الرشید ایک ایک کہانی کی بدولت تیسرے نمبر پر ہیں ۔ نوشاد عادل اپنے قسط وار ناول "دوزخ" کے ہمراہ اپریل ' مئی اور جون کے شماروں میں موجود تھے ۔ لیکن ان کی کہانی ایک ہے ۔ اسی طرح ہارون الرشید کے سلسلے وار ناول "قارون کا خزانہ" کی آخری قسط ' جنوری میں شائع ہوئی ۔ جبکہ نئی صبح کے عنوان سے یاسمین حفیظ صاحبہ نے ایک کہانی لکھی ۔ ان چھ شماروں میں سب سے طویل کہانی عرفان رامے کی نشان عبرت تھی ۔ اس تاریخی کہانی نے پورے تیئس صفحات صرف کیے ۔ اسی طرح سب سے مختصر کہانی سلطان شہزاد کی تھی ' جو "اصل منزل" کے عنوان سے ایک صفحے پر چھپی ۔ چھ مہینوں میں کل بارہ مضامین شائع ہوئے ۔ سید آصف جاوید نقوی ' عظمت کے مینار میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں جنوری تا مئی تک بتاتے رہے ۔ البتہ جون کے شمارے میں انہوں نے حضرت زید بن حارث کے حالات قلم بند کیے ۔ اسی طرح انہوں نے دو مضامین تحقیق کیے ۔ راقم کے بھی دو مضامین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور حرف زر کے عنوان سے مئی و جون کے شماروں میں شائع ہوئے ۔ آٹھ مسائل ' اصول اور مقاصد تعلیم ' انوکھا علاج ' حضرت امام حسینؓ ' دیوار چین ' سیاست ' فیشن اور ہنستے ہنستے ۔ ارشاد حسین ' سائرہ محبوب ' سید رفیع الزماں ' علمدار بلوچ ' محفوظ احمد ' محمد پیرل ' محمد عادل رحمن ' اور محمد فیصر ہزاروی ہیں ۔ چھ شماروں میں بلترتیب دو ' ایک ' تین دو ' دو اور دو مضامین شائع ہوئے ۔ قلمی خبرنامہ کی صورت تیمور غزنوی نے فروری ' مارچ اور جون کے شماروں میں حاضری دی ۔ انہوں کی محفل یعنی ڈاک بابو پہ تبصرہ نہ ہو تو تمام محنت و کوشش کو رائیگاں تصور کیا جائے گا ۔ ویسے بھی یہ سلسلہ رسالے کی جان ہے ۔ تبصرہ نگاری بھی ادب کی ایک نثری صنف ہے جو دیگر رسائل کے مقابلے میں انوکھی کہانیاں اجاگر کر رہا ہے ۔ ڈاک بابو کی محفل کے اعداد و شمار پیش خدمت ہیں ۔ مجموعی طور پر ایک سو چودہ صفحات پہ چار سو اکاون

دوستوں نے آدھی ملاقات کی ۔ سب سے زیادہ اکاونے دوستوں نے مارچ اور سب سے کم چھیاسٹھ دوستوں نے مئی کے مہینے میں ملاقات کی ۔ کل تیرہ انعامی خطوط منتخب ہوئے ۔ علمدار حسین اور ساجد حسین کے تین ' تین خطوط اور منیر احمد کے دو خطوط انعامی قرار پائے ۔ علی بخش منصور ' فاطمہ محمود علی ' مہوش سلیم ' مہوش فاطمہ اور راقم کے خطوط ایک ایک بار انعامی قرار پائے ۔ ڈاک بابو کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انعامی خطوط کی ہیٹرک علمدار نے کی ۔ علمدار نے مسلسل فروری ' مارچ اور اپریل کے شماروں میں انعامی خط لکھنے کا اعزاز حاصل کیا ۔ ویل ڈن ۔ فریال اکبر خان لاشاری کے شروع کردہ "تعارف نامہ" میں دس ساتھیوں نے اپنا تعارف پیش کیا ۔ ڈاک بابو کی محفل میں رضیہ خانم ' علمدار حسین ' منیر احمد شہزاد ' منان لطیف ' فریال اکبر ' ساجدہ میرانی ' ایس ایچ ساجد و مگسی کے خطوط پسند کیے جاتے ہیں ۔ ساتھیوں باوجود کوشش کے باوجود اعداد و شمار طوالت کے شکار ہوگئے ۔ مستقل سلسلوں کے بارے میں تفصیلات کسی دوسرے رسالے میں پورا کروں گا ۔

✪ **علی بخش منصور ' جعفرآباد:** انوکھی کہانیاں اس دفعہ جلدی موصول ہوا ۔ ٹائیٹل اپنی تمام تر رنگینوں کے ساتھ جلوہ افروز تھا ۔ اداریہ میں محبوب الٰہی مخمور انسانی فطرت میں پائے جانے والے پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے نظر آئے ۔ حمد اور نعت سے مستفید ہونے کے بعد حضرت زید بن حارثہ کے حالات زندگی پڑھنے کو ملے ۔ جنہیں سید آصف جاوید نقوی نے نہایت عمدہ طریقے سے تحریر کیا ۔ "آخری موقع" ارشاد حسین کی تحریر ہمیں برائیوں سے روکنے اور نیکیاں بانٹنے کا درس دینے میں پیش پیش تھی ۔ جبکہ عبداللہ سجاع سندھی نے گرمیوں کے موسم میں نظم درخت لکھ کر ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں کا احساس دلایا ۔ کرن کرن اجالا ' میں اچھے اچھے اقوال ' معلومات و دیگر اصلاحی باتیں پڑھنے کو ملیں ۔ قلمی خبرنامہ پہلے کی نسبت اس مرتبہ پرمغز بشاش بشاش پایا ۔ تیمور صاحب ! خبروں میں تھوڑی بہت مزاحیہ باتیں بھی کرلیا کریں اس طرح پڑھنے کا مزہ دوبالا ہوجائے گا ۔ "حرف زر" عبدالسلام گمسی کی تحریر جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کررہی تھی ۔ کہ اٹھو اور اپنے حال کو ماضی میں بدل دو ان معصوم مسلمانوں کی آواز پہ سب لبیک کہو جو چیخ چیخ کر تمہیں پکار رہے ہیں ۔ کشمیر کے پس منظر میں لکھی گئی تحریر "صبح سے پہلے" میں بھی قارئین کو متاثر کرنے والے عناصر موجود تھے ۔ رشید ارشد کی نظم "نوائے تیغ" تیغ لفظوں میں لکھی گئی تھی ۔ "دوزخ" نوشاد عادل کی تحریر گزشتہ اقساط کی طرح موجودہ قسط بھی کسی دھماکے سے کم نہ تھی ۔ تحریر پڑھنے کے بعد اگلی قسط کے لیے دل زور زور سے دھڑکنے لگا ۔

✪ **عرفان دانش ' اولڈ حاصل پور:** انوکھی کہانیاں ایک ایسا رسالہ ہے ۔ جو کہ اگر کسی بک اسٹال پر نظر آئے اور جیب میں روپے ہوں تو وہ روپے پکار پکار کر کہیں گے کہ ہم قید خانے (جیب) میں پڑے تنگ آگئے

itsurdu.blogspot.com

ہیں۔ انہیں آزاد کردو اور انوکھی کہانیاں خرید لو کہ اس میں میرا بھی فائدہ ہے اور تمہارا بھی! جون کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے اور سمجھ میں نہیں آرہا کہ کس چیز پر تنقید کی جائے (اصل میں' میں نے سوچا تھا کہ تعریف تو سبھی قارئین کرتے ہیں' میں تنقید ہی کردیتا ہوں) کہ انوکھی کہانیاں کا یہ کمال ہے کہ اس کے صفحات پر موجود ہر کہانی' نظم' مضمون' مراسلہ' قابل ستائش ہے کہ تازہ شمارے میں موجود سبھی تحریریں قابل تعریف ہیں۔ خصوصاً "حضرت زید بن حارثہ" طلسم کدہ اور حرف زر۔

✪ **نامان بٹ' گلشن اقبال کراچی:** سرورق بہت اچھا تھا۔ پیشہ کی طرح جبکہ اداریہ ہر بار کی طرح بازی لے گیا۔ شمارے میں ڈالر کی طرف سے بھیجا گیا اسٹیکر بھی موصول ہوا پہلے ہم حیران ہوئے کہ یہ کس چیز کا انعام ہے مگر پھر اندازہ لگایا کہ یقیناً "اس بار کچھ ساتھیوں کو اسٹیکر بھیجے گئے ہیں جو اس رسالہ کا خاصہ ہیں۔ اس بار کوئی بھی کہانی زیادہ متاثر نہیں کرسکی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کہانیوں کی کمی محسوس ہوئی۔ "عظمت کے مینار" میں حضرت زید بن حارثہؓ کا سلسلہ شروع ہوا ہے جو معلومات یکجا مل جاتی ہیں۔ جو نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ آخری موقع اس سے پہلے بھی مختلف انداز میں کئی بار پڑھ چکے ہیں۔ صبح سے پہلے کی طرح اگر ہر ماں اپنی اولاد میں جذبہ جہاد پیدا کرے اور خدا پر پورا ایمان رکھتے ہوئے اپنے بچوں کو خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے بھیجیں تو شاید ایک دفعہ پھر مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرلیں۔ محمد عرفان رامے کی "طلسم کدہ" بالکل بھی متاثر نہ کرسکی بالکل غیر حقیقی کہانی تھی اور جتنی آسانی سے کہانی کا آغاز ہوا اتنی ہی آسانی سے انہوں نے اس طلسم کدہ کو ختم کردیا یہ صرف تحریر کرنے کی حد تک آسان ہے۔ "دوزخ" نے ایک بار پھر نیا رخ اختیار کرلیا ہے اب دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔

✪ **منیر احمد شہزاد' کوئٹہ:** ہم انوکھی کہانیاں سے ناراض ہیں۔ کیونکہ انوکھی کہانیاں کو ہماری ضرورت ہی نہیں رہی ہے۔ میں جنوری ۱۹۹۹ء سے مستقل لکھ اور پڑھ رہا ہوں۔ مگر انوکھی کہانیاں نے نئے ساتھیوں کی موجودگی میں ہمیں لفٹ کرانی کم کردی ہے۔ ہم اتنی محنت سے تبصرے لکھتے ہیں اور شائع ہوتے ہیں چار لائنیں۔ ہم استعفیٰ دینے کا سوچ رہے ہیں مگر قارئین کی محبت اور ڈاک بابو نے ہمارے قدم جکڑ لیے ہیں۔ سرورق سائنسی طرز کا تھا جو کہ بالکل سو سال بعد یعنی ۲۱۰۳ء کی ترجمانی کررہا تھا۔ سرورق بنانے والے نے بڑی دلکش انداز میں اس تصویر کا نقش کھینچا تھا۔ سرورق کے اعتبار سے انوکھی کہانیاں نے بچوں کے ادب کے تو سبھی رسالوں کو میلوں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ قارئین کی عدالت میں دوبارہ بحال کرنے پر ہم مدیر صاحب کے بڑے شکر گزار رہیں گے۔ اس سلسلے میں ہمیں اپنے ادیب دوستوں کے خیالات جاننے کا موقع مل جاتا ہے۔ بہرحال اس کے لیے ہم بہت خوش ہیں۔ یہ خوشی تب دوبالا ہوگی۔ جب تبصرہ نگاروں کو بھی اس میں پیش کیا جائے۔ حمد باری تعالیٰ' امان اللہ نیر شوکت' نے اللہ کی شان میں حمد بڑے آسان لفظوں

میں قلم بند کیا۔ جبکہ نعت شریف سید اشرف بیتھوی' بیان فرما رہے تھے۔ ایک وقت میں حمد و نعت لکھنے کا شرف حکیم خان حکیم اور آصف قادری کو حاصل تھی۔ لیکن آج کل وہ بالکل باغی ہوگئے ہیں۔ کیوں بھی۔ عظمت کے مینار۔ اس بار مینار کی چوٹی پر حضرت زید بن حارثہ کا نام لکھا رہا تھا۔ ماشاء اللہ نقوی صاحب بڑے انہماک سے ثواب کما رہے ہیں۔ آخری موقع..... ارشاد حسین نے نیا انداز اپنایا تھا۔ اس تحریر نے اچھا تاثر دیا۔ ڈاک بابو..... اپنے عروج پر قائم و دائم قارئین کی پسندیدگی کو مزید پروان چڑھا رہا ہے۔ جس کی واضح ترین مثال نئے نئے قارئین کی آمد ہے۔ اپنے خط کا حشر دیکھ کر غصے کا پارہ چڑھا دیا۔ علمدار بھائی! میں آپ کی بات پر متفق ہوں۔ لیکن یہ شعر تو آپ نے سنا ہوگا۔

ذرا سی خامیں سے بھی دل ٹوٹ سکتے ہیں

طارق ریاض خان سے عرض ہے کہ دراصل "شاہ" میرے والد کے نام سے منسوب ہے اور اسی لیے میں نے اپنے نام کے ساتھ جوڑ لیا تھا مجھے کیا پتہ تھا کہ ساتھی اس طرح بات کا بتنگڑ بنائیں گے۔ اب شاید کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔ اس دفعہ ساجدہ میرانی کے علاوہ باقی ریگولر ساتھی بھی غائب بھی تھے۔ رضیہ خانم واحد انصاری بہن ہیں جو ہر ماہ اپنے دلکش تبصرے کو ڈاک بابو کی زینت بنا دیتی ہیں۔ سچی ڈاک بابو پڑھ کر جو روحانی خوشی ملتی ہے۔ وہ شاید ہی کہیں ملے۔ قارئین کی عدالت میں جلدی سے عبدالسلام گمسی اور ساجد حسین ساجد کو پیش کریں۔ محبت..... امان اللہ نیر اپنی نظم کی صورت میں محبت بڑھانے کا کام کررہے تھے۔ "طلسم کدہ" محمد عرفان رامے نے ایک بار پھر سسپنس کی ریس میں اپنا قلم دوڑایا۔ موصوف نوشاد عادل کے بعد ایڈونچر اور ہارر ٹائپ کی کہانیاں لکھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ہمارے ذہن میں اتنے الفاظ بھی نہیں ہیں کہ اس کی تعریف کے لیے بیان کریں۔ اچھے اچھے شعروں کی کمی نظر آنے لگی ہے۔ "مجھے شکایت ہے" اب بالکل ناکارہ ہوچکا ہے۔ "لوکا اور لیٹرے" آصف جاوید سکندر نے اچھا تاثر دیا۔ NBF کی کوششوں سے نئے ادیبوں کو انعامات مل رہے ہیں۔ وہ قابل تحسین ہیں۔ ان سبھی ساتھیوں کو مبارک۔ لیکن آخر وہ کون سے ادیب ہیں جنہوں نے انعامات نہ ملنے پر تنقید کا مظاہرہ کیا تھا۔ بن کر بڑا دکھ ہوا کہ ہم میں ابھی تک جاہلیت باقی ہے۔ ..... حرف زر..... عبدالسلام گمسی نے اپنی مختصر سی تحریر میں بگڑے ہوئی قوموں کو جینے کا قرینہ سکھا دیا۔ "باتوں سے خوشبو آئے" نائلہ بہن نے بھی اس بار انتخاب پیش کیے..... صبح سے پہلے..... کشمیر کی آزادی اب بھی ننھے مجاہدوں کے دل میں پل رہا ہے۔ کیا ان کا یہ حسرت بھرا خواب حقیقت کا روپ اختیار کرسکے گی۔ "نوائے تلخ" رشید ارشد صاحب پی ٹی وی کو دل کھول کر کوس رہے تھے۔ آخری صفحات پر سلسلہ وار کہانی "دوزخ" کا تیسرا ٹکڑا اپنے اندر خوف اور دہشت سمیٹے ہمارے دلوں کو ہلانے لگا۔ نوشاد عادل کو ہم نے پہلی دفعہ "کھیل کھیل میں" "آگ کا بیٹا" کی صورت میں دیکھا۔ وہیں

itsurdu.blogspot.com

سے ان کی تحریروں میں غضب کا سحر دیکھنے کو ملا۔ تب سے ہم موصوف کی تحریروں کے مداح بن گئے۔ انوکھی کہانیاں کی بدولت ہمیں نوشاد صاحب کی کافی سلسلہ وار تحریریں پڑھنے کو ملیں۔ خاص کر برف کے قیدی' جان لیوا اور حالیہ سلسلہ وار دوزخ سے ہم کافی متاثر ہوئے۔ نوشاد صاحب کے لکھنے کا جو انداز ہے وہ ایک معمہ ہے۔ جو انداز تحریر انہوں نے اپنایا ہے وہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ سبھی کو سلام۔

✪ **عبدالماجد دشتی' تربت:** سرورق خوبصورت تھا۔ اس میں معلومات بڑی اچھی ہوتی ہیں۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح بہترین بہترین تھا۔

✪ **چوہدری توقیر طاہر' بکھر یار:** اداریہ' حمد و نعت اور آخری موقع اچھی تحریریں تھیں۔ رابعہ حسین' عرفان راے' میر شاہد حسین اور نوشاد عادل کی تحریریں زبردست تھیں۔

✪ **رابعہ حسن' آزاد کشمیر:** اداریہ واقعی بہت تعمیری تھا۔ آصف جاوید نقوی سب لکھاریوں میں قابل ستائش ہیں۔

✪ **عبداللہ شجاع سندھی' لاڑکانہ:** پرچہ کے مطالعہ سے یہ المناک خبر پڑھنے کو ملی کہ انوکھی کہانیاں کے روح رواں چشتی صاحب وفات پا گئے ہوں کیونکہ میں عرصہ دراز سے رسالے کا مطالعہ نہیں کر رہا ہوں کیونکہ لاڑکانہ میں رسالہ آنا بند ہوگیا ہے۔

✪ **راشد مقبول' حاصل پور:** انوکھے سرورق کے ساتھ انوکھے طریقے سے مل گیا۔ وہ تو شکر ہے کہ میں جلدی سے بک اسٹال پر پہنچا جہاں صرف میری ہی قسمت کا صرف ایک شمارا میرے انتظار میں تھا۔ جناب امان اللہ نیر شوکت کی اللہ کی تعریف میں لکھی گئی۔ حمد بہت زبردست تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں جناب سید اشرف بیتھوی نے قلم کو خوب اچھے طریقے سے استعمال کیا۔ "عظمت کے مینار" جناب سید آصف جاوید نقوی حاضر خدمت تھے۔ محمد مشتاق حسین قادری کی لکھی ہوئی نظم ہوئی نہیں اس کو..... بھی بہت اچھی تھی۔ آخری موقع جناب ارشاد حسین تحریر بھی بہت شاندار تھی۔ صرف اپنا مطلب سوچنے والوں اور اپنی دنیا کی زندگی سنوارنے کو اسے ضرور پڑھنا چاہیے لیکن ہمارے ملک میں بھی ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ جو صرف روپے پیسے کے لیے اپنا دین ایمان تک بیچ ڈالتے ہیں۔ عبداللہ شجاع کی نظم "درخت" کافی جاندار تھی۔ ڈاک بابو ایک مرتبہ پھر ساتھیوں کے کھٹے میٹھے خطوط کے ساتھ پیش خدمت تھا۔ ساجد حسن ساجد اور عبدالسلام کلمی مبارک ہو۔ جناب آپ جیسے خوش نصیبوں کو لیکن محرمت کیجئے گا۔ میں اور میرے یہ تمام ساتھی اپنی اس جاری مسلسل محنت کے ساتھ ایک نہ ایک دن آپ سے بھی آگے بڑھ جائیں گے۔ "طلسم کدہ" محمد عرفان راے جناب کچھ تو خوف کریں نوشاد عادل کی دیکھا دیکھی آپ بھی ان خوفناک کہانیوں پر اتر آئے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ اب آپ دونوں انوکھی کہانیاں کو کہیں خوفناک کہانیاں ہی نہ

بلوبینڈ Blue Band

بنا دیں۔

✪ **محمد یوسف بھٹو' ڈٹرو:** جون کا شمارہ اس وقت میرے ہاتھوں میں اپنی ساری خوبصورتی لیے موجود ہے۔ بہترین اور چمکتا دمکتا ٹائٹل بڑا پیارا لگ رہا ہے۔ محبوب الٰہی مخمور صاحب کے جادوئی قلم سے لکھا گیا۔ "اداریہ" ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ "حمد" "امان اللہ نیر شوکت اور "نعت" سید اشرف بیتھوی بہت اچھی لگی۔ اس کے بعد "عظمت کے مینار" میں سید آصف جاوید نقوی نے حضرت زید بن حارثہؓ کے متعلق معلومات فراہم کی۔ اس مرتبہ کہانیوں میں آخری موقع' لڑکا اور لیٹرے' صبح سے پہلے بڑی دلچسپ اور بہترین کہانیاں تھیں۔ انوکھی کہانیاں کی ایک بات جو مجھے اچھی لگتی ہے وہ یہ کہ وہ ہر نئے لکھنے والے کو موقع فراہم کرتا ہے اور جو کسی فرق کے ہر ایک لکھاری کی ہمت اور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

"کرن کرن اجالا" جو میرا پسندیدہ مستقل سلسلہ بھی ہے کے ساتھ "باتوں سے خوشبو آئے" حسب معمول بہت پسند آیا۔ نظموں میں "درخت" عبداللہ شجاع' "اچھی بچی" محمد افتخار عالم اور امان اللہ نیر شوکت کی "محبت" بڑی اچھی نظم تھی' جس میں جگہ جگہ پر ہر ایک سے محبت کا درس دیا گیا ہے۔ میں یہاں پر عبدالسلام کلمی کی تحریر "حرف زر" کی خاص طور پر داد دینا چاہوں گا کیونکہ انہوں نے اپنی مذکورہ تحریر میں جو جو باتیں لکھی ہیں۔ ساری صحیح لکھی ہیں' ہمارے معاشرے کی جن جن برائیوں کو انہوں نے بے نقاب کرتے ہوئے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ سلسلہ وار کہانیوں میں طلسم کدہ اور نوشاد عادل کی "دوزخ" اچھی جا رہی ہیں۔ "کچھ کشمیر کے بارے میں" رابعہ حسن کی تحریر بھی پسند آئی' جس سے کافی معلومات حاصل کی۔ رشید ارشد کی "نوائے حق" نظم سچ پر مبنی تھی جس میں بڑے اچھے انداز سے پی ٹی وی کو نشانہ تنقید بنایا گیا۔

✪ **عبدالحفیظ الغنی' گوادر:** جون کی غضب ڈھاتی گرمیوں میں انوکھی کہانیاں کی چھاؤں نصیب ہوئی۔ سرورق بہترین تھا۔ خلا باز..... خلا کے طلسم کدے میں حیران ہے۔ اداریہ پڑھا۔ آپ نے درست فرمایا کہ ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اب یہ ذہنیت اور رجحان کی بات ہے کہ کونسے پہلو کی طرف مائل ہو۔ حمد بھی خوب تھی اور نعت بھی خوبصورت "عظمت کے مینار" زید بن حارثہؓ کے زندگی کے روح پرور نظارے پڑھنے کو ملے۔ واقعی آپؓ نے سعادت کی زندگی گزاری..... اور شہادت کی موت پائی۔ آصف جاوید نقوی کی تحریر زبردست رہی۔ طلسم کدہ میں محمد عرفان راے نے کمال کر دیا۔ تحریر میں تجسس اور خوف کے عنصر کو جس تناسب سے پیش کیا اسی قدر موثر ثابت ہوا۔ یہ تحریر "بیسٹ آف جون" ہے۔ "لڑکا اور لیٹرے" میں مسلمہ بن اکواع کی برق رفتاری اور بہادری کے اس تاریخی واقعے کو آصف جاوید سکندر نے خوبصورت الفاظ میں بیان کیا۔ باقی دو تحریریں "آخری موقع" ارشاد حسین اور "صبح سے پہلے" میر شاہد حسین عام سی

بلوبینڈ Blue Band

itsurdu.blogspot.com

تھیں.... بس اچھی لگیں۔ نظمیں اس دفعہ بہت ساری تھیں۔ "درخت" اچھی تھی۔ سب سے بہترین نظم "نوائے تلخ" تھی۔ یہ واقعی المیے کی بات ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ٹی وی ساتھ ساتھ میڈیا کا ہر شعبہ..... فلم، ڈرامے، تھیٹر، اشتہارات ...انڈیا کی نقالی میں مشغول ہیں۔ نقل بھی بھونڈی نقل..... "دوزخ" کا تیسرا حصہ بہت پسند آیا باوجود اپنی طوالت کے۔ اس میں سسپنس کا عنصر بے پناہ تھا۔ باتوں سے خوشبو آئے، کرن کرن اجالا سے سبقت لے گیا۔ "ڈاک بابو" مختصر خطوط زیادہ تھے۔ میں مختلف کتابوں سے طویل انتخابات آپ کے لیے ارسال کر سکتا ہوں۔ (مختصر بھیجو)

✪ محمد ابوبکر لقمان، منڈی بہاؤالدین: میں نے آپ کا رسالہ پہلی دفعہ پڑھا۔ بہت پسند آیا۔ مجھے کہانیاں خاص طور پر بہت اچھی لگیں۔

✪ قیصر عباس طاہر، چوک ظاہر پیر: جون کا شمارہ مجھے میرے پیارے دوست حبیب اللہ سعدی نے تحفہ میں دیا تھا جس کا میں بہت شکر گزار ہوں۔ کیونکہ یہ شمارہ بہت اچھا تھا۔ اس رسالے میں "مجھے شکایت ہے"، قلمی دوستی اور سلسلہ کرن کرن اجالا بہت اچھے ہیں۔

✪ گل محمد گل، پسنی: جون 2003 کا شمارہ ملا۔ سرورق بہت ہی اچھا تھا۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ حضرت زید بن حارثہؓ پر لکھا گیا۔ مضمون سبق آموز تھا۔ آخری موقع پسند آئی۔ ڈاک بابو میں بہت سے نئے دوستوں سے ملاقات ہوئی۔

✪ ماریہ چشتی سمندری: ٹیٹل انوکھی کہانیاں کا تھا اس لیے انوکھا ہی تھا۔ پہلے حمد و نعت سے فیض یاب ہوئے پھر اداریہ پڑھا۔ اس کے بعد بے چینی سے نوشاد عادل کا ناول دوزخ نکالا۔ خاصا ایڈونچر ناول ہے۔ جس میں یہود و نصاریٰ اور مسلمان کے ایمان کے درمیان کش مکش دکھائی گئی ہے۔ عرفان راحے کی تحریر مصنوعی پن لیے ہوئے تھی اس لیے بالکل بھی پسند آئی۔

بولتے جن

24 نومبر 2001ء کو اسلام آباد میں عالمی شہرت یافتہ امریکی دانشور مسٹر نوم چومسکی کے یہ الفاظ علمی ادبی حلقے میں بہت مقبول ہوئے۔

"ہماری دنیا علم کی دنیا ہے لیکن دانش سے محروم ہے۔ یہ زندہ ضمیر سے عاری قوت کی دنیا ہے ہم زندہ رہنے کے علم سے کہیں زیادہ ہلاک کرنے کا علم جانتے ہیں ہم امن سے زیادہ جنگوں کا علم رکھتے ہیں۔ ہم جوہری ہتھیاروں کے اعتبار سے جن ہیں لیکن اخلاقی اعتبار سے بونے ہیں

علمدار حسین بلوچ

سلیم شرقپوری کی یاد میں

امان اللہ نیر شوکت

محفل دلوں کی سونی کر کے بڑھا کے دُوری
سویا ہے نیند ابدی! سلیم شرقپوری
"بچوں کی دنیا" کا تھا کیا خوب وہ ایڈیٹر
پُر ہوگی جانے کیسے اس کی جگہ ادھوری
تحریر پر تھا حاوی اس کے قلم کا آہوا
لفظوں پہ دسترس تھی اس کو جناب پوری
سرشار کر رہا تھا سب اپنے قاریوں کو
سب کو کھلا رہا تھا علم و ادب کی چُوری
اہلِ قلم میں اپنا رُتبہ بڑھا گیا ہے
وہ کر گیا مکمل جو کام تھا ضروری
بیوی اداس ہے کہ ہمدم چلا گیا ہے
بچوں کو ڈس رہی ہے اس کی عدم حضوری
باتیں تھیں اس کی دلکش، لہجہ تھا اس کا شیری
یعنی قرارِ جاں تھا اس کا کلامِ نوری
نیّر میں اس کو کیسے اشعار میں سمیٹوں
اِک اِک ادا تھی جس کی اِک کائنات پوری

itsurdu.blogspot.com

انوکھی کہانیاں ادبی رینکنگ 2002ء

رینک	ادیب شاعر مضمون نگار	پوائنٹس
1	محمد عرفان رامے (جھنگ)	280
2	سید آصف جاوید نقوی (کراچی)	270
3	محمد سعید عباس (کراچی)	230
4	الطاف حسین (کراچی)	170
5	سید علی رضا (کراچی)	120
6	ہارون الرشید (خوشاب)	106
7	حکیم خان حکیم (اٹک)	105
8	رشید ارشد (واہ کینٹ)	96
9	آصف جاوید سکندر (کراچی)	95.5
10	محمد آصف قادری (واہ کینٹ)	95
11	علمدار حسین بلوچ (خوشاب)	86
12	ظفر محمود انجم (جھنگ)	85
13	ابن آس (کراچی)	80
14	طارق ریاض خان (لاہور)	76
15	نوشاد عادل (حیدر آباد)	75
16	منان لطیف ستی (راولپنڈی)	66
17	آصف تیموری (گولڑہ شریف)	65
18	غلام رضا جعفری (کراچی)	60
19	سائرہ محبوب (لاہور)	54
20	گلزار احمد اثر (جعفر آباد)	50.5
21	محمد یوسف بھٹو (دڑو)	50
23	محمد انوار احمد (کراچی)	31
24	محمد عثمان پاکستانی (اٹک)	30.5

رینکنگ ان گروپس

گروپ A (ادیب)

1	محمد عرفان رامے	(جھنگ)
2	محمد سعید عباس	(کراچی)
3	الطاف حسین	(کراچی)
4	سید علی رضا	(کراچی)
5	ہارون الرشید	(خوشاب)
6	آصف جاوید سکندر	(کراچی)
7	علمدار حسین بلوچ	(خوشاب)
8	ابن آس	(کراچی)
9	طارق ریاض خان	(لاہور)
10	نوشاد عادل	(حیدر آباد)
11	منان لطیف ستی	(راولپنڈی)
12	آصف تیموری	(گولڑہ شریف)
13	غلام رضا جعفری	(کراچی)
14	سائرہ محبوب	(لاہور)
15	محمد یوسف بھٹو	(دڑو)

گروپ B (شاعر)

1	حکیم خان حکیم	(اٹک)
2	رشید ارشد	(واہ کینٹ)
3	محمد آصف قادری	(واہ کینٹ)
4	ظفر محمود انجم	(جھنگ)
5	گلزار احمد اثر	(جعفر آباد)
6	سید اشرف بیتھوی	(کراچی)
7	محمد انوار احمد	(کراچی)
8	محمد عثمان پاکستانی	(اٹک)
9	سیدہ رخسانہ نقوی	(کراچی)

گروپ C (مضمون نگار)

1	سید آصف جاوید نقوی	(کراچی)

انوکھی کہانیاں ٹاپ آف دی ایئر 2002ء

گروپ A (ادیب)	محمد عرفان رامے	(جھنگ)
گروپ B (شاعر)	حکیم خان حکیم	(اٹک)
گروپ C (مضمون نگار)	سید آصف جاوید نقوی	(کراچی)

ریکارڈ لسٹ

انوکھی کہانیاں ٹاپ آف دی ایئر ایوارڈ 1999ء تا 2002ء

	گروپ A ادیب	گروپ B شاعر	گروپ C مضمون نگار
1999ء	الطاف حسین (کراچی)	قاضی راشد محمود (کوٹ سلطان)	ابو غازی محمد (کراچی)
2000ء	محمد سعید عباس (کراچی)	قاضی راشد محمود (کوٹ سلطان)	الطاف حسین (کراچی)
2001ء	محمد عرفان رامے (جھنگ)	حکیم خان حکیم (اٹک)	سید آصف جاوید نقوی (کراچی)
2002ء	محمد عرفان رامے (جھنگ)	حکیم خان حکیم (اٹک)	سید آصف جاوید نقوی (کراچی)

توجہ فرمائیے! آپ کا دل بھی "انوکھی کہانیاں ادبی رینکنگ" میں شامل ہونے اور "ٹاپ آف دی ایئر" کا اعزاز حاصل کرنے کے لیے مچلتا ہوگا؟

جی ہاں!!

ہم جانتے تھے آپ کا جواب یہی ہوگا.....

اس مقصد کے حصول کے لیے آپ خوب محنت کیجئے..... زیادہ سے زیادہ معیاری تحریروں کی اشاعت.....آپ کو نہ صرف رینکنگ بلکہ "ٹاپ آف دی ایئر" کے منفرد مقام تک بھی لے جاسکتی ہے!!!

Blue Band بلو بینڈ
itsurdu.blogspot.com

"انوکھی کہانیاں ادبی رینکنگ" اور "انوکھی کہانیاں ٹاپ آف دی ایئر ایوارڈ" کا مشترکہ سلسلہ 1999ء سے شروع کیا گیا۔

ہر سال رینکنگ وضع کردہ قواعد وضوابط کے عین مطابق ترتیب دی جاتی ہے۔

1999ء سے 2002ء تک "انوکھی کہانیاں ادبی رینکنگ" میں کل 36 ادیب، 18 شاعر اور 6 مضمون نگار شامل ہوئے۔

ان میں دو ادیب اور دو شاعر ایسے ہیں جنہیں مسلسل چار سال (1999ء تا 2002ء) سے ادبی رینکنگ میں موجود رہنے کے ساتھ رینکنگ میں شمولیت کی "ہیٹ ٹرک" کرنے کے اعزاز بھی حاصل ہے۔

1۔ الطاف حسین (کراچی)
2۔ نوشاد عادل (حیدرآباد)
3۔ حکیم خان حکیم (اٹک)
4۔ محمد عثمان پاکستانی (اٹک)

جبکہ درج ذیل قلم کاروں نے تین سال تک ادبی رینکنگ کا حصہ بننے کے باعث شمولیت کی "ہیٹ ٹرک" مکمل کر لی ہے۔

1۔ محمد سعید عباس (کراچی)
2۔ سید آصف جاوید نقوی (کراچی)
3۔ اعظم سکندر (نواب شاہ)
4۔ فرحان ولایت بٹ (لاہور)
5۔ رشید ارشد (واہ کینٹ)

(نوٹ:۔ رینکنگ میں شمولیت کرنے والے "ہیٹ ٹرک قلم کار" کو کل تعداد میں ایک شمار کیا گیا ہے نیز یہ ماہنامہ "انوکھی کہانیاں" کے لیے بھی اعزاز ہے کہ اس میں مجموعی طور پر 50 سے زائد "رینکر قلم کار" لکھ رہے ہیں۔)

ادبی رینکنگ میں پوائنٹ کی بنیاد پر کراچی کے ادیب "ٹاپ آف دی لسٹ" ہیں۔ انہوں نے چار سال میں مجموعی طور پر 2446 ریکارڈ پوائنٹس حاصل کیے ہیں۔ جو دوسرے شہروں کے ادیبوں کے لیے کافی مشکل ٹارگٹ ہے۔

حیدرآباد 447 اور لاہور 377 پوائنٹس کے ساتھ بالترتیب دوسرے اور تیسرے نمبر پر ہیں۔

شاعری کے میدان میں اٹک شہر کے شاعر 649.50 پوائنٹس کے ساتھ سرفہرست ہیں واہ کینٹ 412 اور کراچی 207 پوائنٹس حاصل کر کے بالترتیب دوسرے اور تیسرے نمبر پر آ گئے ہیں۔

مضمون نگاری کے شعبے یعنی گروپ "سی" میں کراچی کے مضمون نگار 942 پوائنٹس لے کر پہلی پوزیشن پر نواب شاہ 302 پوائنٹس کے دوسرے اور لاہور شہر 120 پوائنٹس حاصل کر کے تیسرے نمبر پر رہا۔

1999ء سے 2002ء کے دوران کراچی کے قلم کاروں نے مجموعی طور پر 6 "ٹاپ آف دی ایئر ایوارڈ" حاصل کر کے کراچی کو آل پاکستان مقابلہ میں پہلے نمبر پر پہنچا دیا ہے۔ جبکہ جھنگ، اٹک اور لیہ 2'2 ایوارڈ کے لیے نامزد ہو کر مشترکہ طور پر دوسرے نمبر پر ہیں اور تیسرے نمبر پر؟..... کوئی نہیں!!

بچوں کے شاعر اشرف بقھوی کا بچوں کے لیے ایک خوبصورت تحفہ

رنگ برنگ

نظموں کی وہ کتاب جسے بیش تر تعلیمی اداروں نے اپنے طلبہ وطالبات کے لیے پسند کیا اور قومی سطح پر حکومت نے انعام سے نوازا

خوبصورت رنگین سرورق، سادہ اور آسان فہم زبان، عمدہ چھپائی اور سفید کاغذ

الحسن اکیڈمی: 45 پریس چیمبر آئی آئی چندریگر روڈ
کراچی: 74200۔ فون نمبر: 2214000

itsurdu.blogspot.com

ننھے منّے بچوں کے لیے ننھی منّی نظمیں

حمد

کرن	کرن
خوشبو	خوشبو
رحمت کا	رنگ
بکھرا	ہر سو
اللہ	اللہ
سبحان	اللہ

نعت

اچھی	باتیں
سچی	باتیں
پیاری	باتیں
ساری	باتیں
پیارے	نبیؐ
تمہاری	باتیں

محفوظ احمد، ٹنڈو آدم

جگنو

اندھیری	رات
انوکھی	بات
چمکے	جگنو
دمکے	جگنو
بچے	دیکھ کر
پیچھے	بھاگے
بچے	پیچھے
جگنو	آگے

چڑیا

ننھی	چڑیا
منی	چڑیا
منہ	اندھیرے
صبح	سویرے
درخت	پہ بیٹھی
گن	گنائے
الحمد	للہ
الحمد	للہ

دوزخ

نوشاد عادل

پانچویں قسط

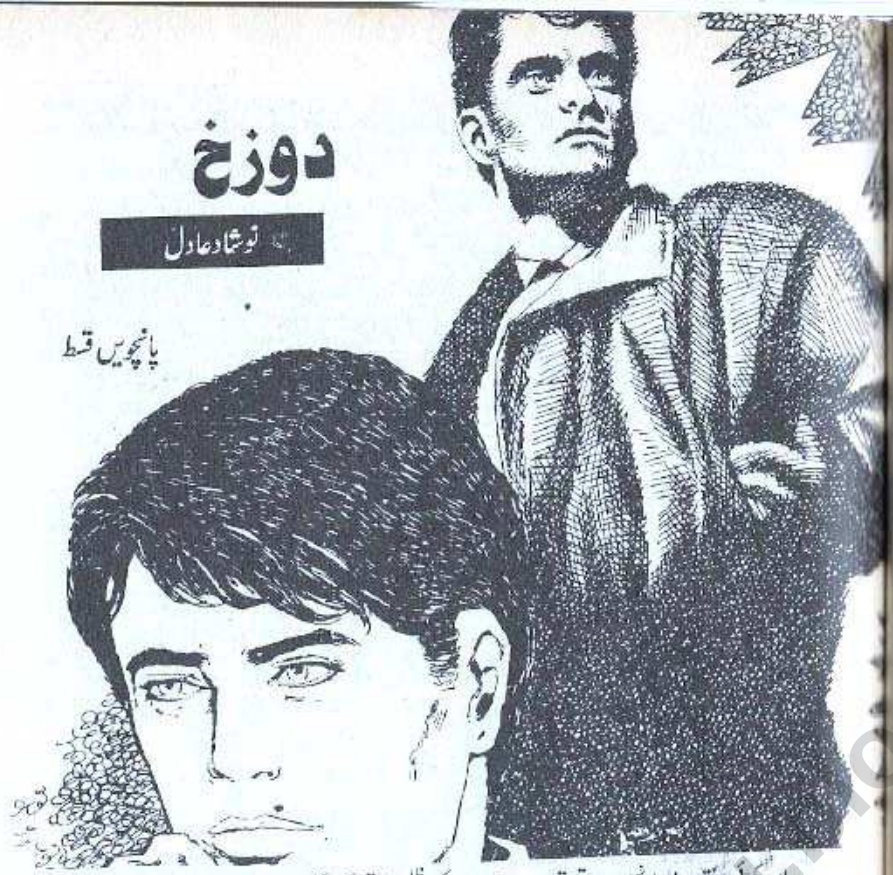

وہاں کوئی وقت ایسا نہیں جاتا تھا جب قیدیوں کو ظلم و ستم کی چکی میں پسنا نہ پڑے۔ فرید نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے قیدیوں پر ظلم ڈھانے کے لیے کیا کیا طریقے اور سزائیں مقرر کر رکھی ہیں۔ وہ اکثر و بیشتر پرانے قیدیوں کو مرتا اور نئے قیدیوں کو آتا دیکھتا رہتا تھا۔ جورڈن کو نہ جانے کس جگہ رکھا گیا تھا اس نے کئی روز سے جورڈن کو نہیں دیکھا تھا۔ البتہ بوگارو اس کو اکثر و بیشتر دکھائی دیتا رہتا تھا۔ بوگارو جب بھی فرید کی جانب دیکھتا تھا تو اس کی آنکھوں میں شعلے بھڑک اٹھتے تھے اور اس کے اندر کا زہر اور کینہ توزی آنکھوں میں بھر آتی تھی۔ اسے وہ وقت یاد تھا جب فرید نے اسے بہت سے قیدیوں اور نگرانوں کے سامنے شکست دے کر اس کا گھمنڈ خاک میں ملا دیا تھا۔ اب قیدیوں پر اس کا وہ رعب و دبدبہ نہ رہا تھا۔ وہ اس بات کا ذمے دار فرید کو ہی سمجھتا تھا۔ شاید اسے اب تک موقع نہیں ملا تھا ورنہ وہ فرید پر حملہ کر کے اپنا حساب بے باق کر چکا ہوتا۔ فرید اس بات پر حیران تھا کہ اسے شیر والے واقعے کے بعد کچھ نہیں کہا گیا تھا بلکہ یوں لگتا تھا جیسے کینی بل اسے بھول گیا ہے۔ کئی بار فرید کو کوسٹا کا بھی خیال آیا تھا۔ وہ بھی بدستور منظر سے غائب ہو گیا تھا۔ شاید وہ اس کی مزید مدد کرنے سے قاصر تھا یا پھر گھبرا گیا تھا۔ اس دوران میں صرف ایک حیرت انگیز تبدیلی آئی تھی کہ فرید کو

itsurdu.blogspot.com

خوراک دوسرے قیدیوں کی بانسبت بہتر دی جارہی تھی ۔ وہ کینی بل کی اس مہربانی پر سخت متعجب تھا ۔ ایک روز فرید کھانا کھانے میں مشغول تھا کہ ایک قیدی اس کے پاس آیا اور بیٹھ گیا۔

فرید گہری نظروں سے اس قیدی کا جائزہ لینے لگا وہ دبلا پتلا اور غیر معمولی طور پر لمبا آدمی تھا۔ اس کا قد دیکھ کر فرید کو حیرانی ہوئی تھی کہ کوئی شخص اس قدر بھی طویل القامت ہو سکتا ہے۔ اس آدمی نے اپنا نام اینڈریو بتایا تھا۔ فرید نے اسے اپنے پاس بیٹھتا دیکھ کر خوراک اس کی جانب بڑھائی۔

"لو .... کھاؤ دوست..." فرید سمجھا تھا کہ شاید وہ اس کی بہتر خوراک دیکھ کر آیا ہے ۔ وہ لوگ عرصہ سے بہتر خوراک کو ترسے ہوئے تھے۔

"نہیں .... یہ تم کھاؤ.... مجھے اب اچھی غذا کھانے سے کراہیت ہونے لگی ہے ۔"..... اینڈریو نے مایوسانہ اور حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اچھی غذا سے کراہیت....؟" فرید کی حیرت سوا ہوگئی "یہ کیا بات ہوئی بھلا...؟"

"ہاں دوست.... میں درست کہہ رہا ہوں ...." اینڈریو نے آہستگی سے کہا "یہاں ہمیں جیسی خوراک دی جاتی ہے وہ تم دیکھ ہی چکے ہو.... پہلے تو وہ ہم سے کھائی ہی نہیں جاتی تھی ایک لقمہ بھی حلق سے اتارنا عذاب ہوتا تھا.... لیکن جان کسے عزیز نہیں ہوتی.... ہمیں وہی خوراک کھانی پڑی.... اور اب ہم اس کے ایسے عادی ہوگئے ہیں کہ ہمیں اچھی کاغذ کا ذائقہ ہی یاد نہیں رہا ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ اچھی غذا اگر ہم کھائیں گے تو ہمیں قے ہو جائے گی۔"

فرید اس کی باتیں سن کر افسوس ناک حیرت میں گھر گیا تھا۔

"تمہارا نام فرید ہے ناں...؟" اینڈریو نے سوال کیا "جب سے تم نے شیر کو مارنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے تم قیدیوں میں مشہور ہوگئے ہو .... ویسے قیدی تو تمہیں اور تمہارے نام کو اس وقت سے ہی پہچاننے لگے تھے جب تم نے بوگارو کو خاک چاٹنے پر مجبور کردیا تھا۔"

"فرید نہیں .... فرید ہے میرا نام .... اور میں مسلمان ہوں ..." فرید نے جب یہ بتایا تو اینڈریو متعجبانہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا مگر اس نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا چند سیکنڈ وہ خاموش بیٹھا رہا تھا پھر گلا کھنکار کر بولا۔

"میں اصل میں تمہیں ایک خطرے سے باخبر کرنے آیا تھا۔"

"خطرہ.... کیسا خطرہ؟" فرید اس بات پر بری طرح چونک اٹھا تھا۔

"یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ کینی بل اصل میں ایک شیطانی دماغ رکھنے والا سائنس دان ہے اس نے انسانوں کے علاوہ بہت سے جانوروں کو بھی اپنے شیطانی تجربات سے گزارا ہے ....وہ دو منہ والا شیر بھی اس کے کسی تجربے کا شاہکار تھا۔ کینی بل اپنے اس شیر کو بہت عزیز رکھتا تھا مگر تم نے اسے مار ڈالا۔ اس روز کے بعد سے تمہیں کوئی سزا نہیں دی گئی اور نہ ہی کسی اور قسم کی سختی کی گئی بلکہ تمہاری غذا میں بہتری کردی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کینی بل تمہیں کسی خوفناک سزا کے لیے تیار کرنا چاہتا ہے بہت سے قیدیوں کا یہی خیال ہے .... میں تمہیں اس بات سے خبردار

کرنے آیا ہوں ..." اینڈریو نے اپنی بات مکمل کرلی تو فرید اس کی صورت دیکھتا رہا۔ کئی دنوں سے وہ اپنے ذہن میں ایک گرہ لگی محسوس کررہا تھا ۔ اب وہ گرہ اچانک ہی کھل گئی تھی۔

فرید نے دھیمی آواز میں اینڈریو کا شکریہ ادا کیا۔

اینڈریو مزید کچھ دیر اس کے پاس بیٹھا رہا پھر چلا گیا ۔ اب فرید کو اس وقت کا انتظار تھا ۔ جس کا خدشہ اینڈریو نے ظاہر کیا تھا ۔ نہ جانے اب کینی بل اسے کس طرح کے جنجال میں پھنسانا چاہتا تھا اور پھر وہ وقت آگیا ۔ اس روز فرید کو کئی نگراں اپنے ساتھ لے گئے ۔ اسوقت قیدیوں کو کھانا دیا جاچکا تھا ۔ نگراں اسے لیے جس جگہ پہنچے تھے وہ اس کے لیے قطعاً نئی تھی ۔ وہ ایک بہت کشادہ ہال سا تھا وہاں بھی بے حد تیز روشنی ہورہی تھی اس ہال کے عین وسط میں ایک گہرا اور بڑے دائرے میں پھیلا ہوا گڑھا تھا ۔ اس گڑھے کے اوپر دو موٹے موٹے گول پائپ کراس کی صورت میں رکھے ہوئے تھے ۔ فرید وہاں عجیب سی آوازیں سن رہا تھا ۔ ایکا ایکی اس کی نگاہ گڑھے کے اندر گئی۔

گڑھے کا اندر کا منظر دیکھ کر اس کا روح تک تھرتھرا کر رہ گئی تھی ۔ وہ پورا گڑھا سانپوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں ہر طرح کے سانپ تھے ۔ ہر رنگ کے سانپ ۔ وہ بری طرح کلبلا رہے تھے ایک دوسرے کے اوپر لوٹ رہے تھے ان میں سے بعض سانپ اتنے موٹے اور طویل تھے کہ ان پر اژدھے کا گمان ہوتا تھا لیکن وہ سانپ ہی تھے ۔ ان میں اژن سانپ تھے ۔ جو اسپرنگ کی طرح ایک دم اچھل پڑتے تھے اور اپنے شکار پر جا چپکتے تھے ۔ اس کے شکار کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا اور وہ اپنا زہر اس کے جسم میں اتار دیتا تھا ۔ وہی اس وقت سب سے خطرناک ثابت ہوسکتے تھے۔

فرید جان گیا کہ اس پر ایک اور کڑا وقت آگیا ہے ۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا وہ لوگ اسے سانپوں کے اس گڑھے میں پھینک دیں گے لیکن پھر کچھ آوازیں سن کر اس کے خیالات کا سلسلہ رک گیا اس نے دیکھا کہ کچھ اور نگراں ایک شخص کو اپنے درمیان لیے چلے آرہے تھے وہ کوئی قیدی ہی تھا ۔ جب وہ لوگ نزدیک پہنچے تو فرید کے منہ سے ایک طویل سانس نکل گئی ۔ وہ اس قیدی کو پہچان گیا تھا۔

وہ قیدی بوگارو تھا ۔ اس کا دشمن ۔ بوگارو نزدیک آکر اسے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے گھور رہا تھا ۔ وہ خوش ہورہا تھا کہ اسے آج اپنا حساب بے باق کرنے کا بھرپور موقع مل رہا ہے ۔ اس کا خیال تھا کہ پہلے وہ اپنی بے صبری میں مار کھا گیا تھا اور اس نے فرید کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا ----- آج وہ ذہنی اور جسمانی طور پر مکمل تیار تھا ----- فرید کو اپنی جانب متوجہ پاکر بوگارو نے وحشیانہ انداز میں اپنے دانت نکالے تھے ۔ جیسے اسے خوش آمدید کہہ رہا ہو۔

اسی لمحے وہاں ایک گونجیلی آواز ابھری ۔ جیسے کوئی بلا چلا رہی ہو ۔ وہ کینی بل کی آواز تھی ۔ جو نگرانوں سے مخاطب تھا۔

"اب ان دونوں کو گڑھے پر چھوڑ دو .... جو بھی وہاں سے بچنے کی کوشش کرے۔ اسے دوبارہ پائپوں پر جانے پر مجبور کردینا۔"

itsurdu.blogspot.com

فرید نے کینی بل کی آواز سن کر ادھر ادھر دیکھا کہ مگر وہ خود کہیں نظر نہیں آیا۔ شاید اسپیکروں سے اس کی آواز ابھر رہی تھی۔ لازماً" وہ خفیہ کیمروں کے ذریعے ان لوگوں کو دیکھ بھی رہا ہوگا۔ وہاں کھڑے نگرانوں کے ہاتھوں میں نیزے نما لمبی اور چمک دار راڈیں تھیں۔ جن کی نوکیں چبھو کر انہوں نے فرید کو گڑھے کے اوپر [illegible] ں کی شکل میں رکھے ہوئے پائپوں پر جانے کے لیے مجبور کردیا۔ اگرچہ پائپوں کا دائرہ دو فٹ کا تھا لیکن چاہے پائپ کا دائرہ دو کے بجائے چار فٹ کا بھی ہوتا تو اس پر توازن برقرار رکھنا مشکل ہی ثابت ہوتا۔ فرید جب ایک پائپ پر آیا تو اسے خود کو نیچے گرنے سے سنبھلنے کے لیے توازن برقرار رکھنا پڑا تھا۔ ذرا سی بھی غفلت اسے سانپوں کے اوپر گرا دیتی۔ پھر جو اس کا حشر ہوتا اس کا تصور بھی آدھی موت کے مترادف تھا۔ ایک انسان کو پائپ کے اوپر آتا دیکھ کر سانپوں کی اضطراب آمیز بے چینی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ ان کی زبردست پھنکاریں دل ہلائے دے رہی تھیں۔ کئی سانپ اونچے اونچے اٹھنے کی کوشش کررہے تھے۔ وہ کسی لمبے بانس کی طرح سیدھے کھڑے ہوجاتے لیکن مکمل طور پر کھڑے ہونا ان کے بس کی بات نہیں تھی لہٰذا وہ گر پڑتے۔ ان کے اس طرح سیدھے کھڑے ہونے کی وجہ سے پائپ کا فاصلہ کم رہ جاتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ فٹ۔ یہ غنیمت ہی رہا کہ ابھی تک کوئی اژدر سانپ اچھلا نہیں تھا۔ ایک جانب سے فرید پائپ پر آگیا تھا دوسری جانب سے بوگارو کو بھی پائپ پر آنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ بوگارو سانپوں سے تو دہشت زدہ تھا مگر اس کے چہرے پر سانپ کے زہر جیسی زہریلی مسکراہٹ بھی عیاں تھی۔ وہ فرید سے بدلہ لینے کے لیے نہ جانے کب سے بے تاب تھا۔ آج اسے موقع فراہم کیا گیا تھا۔ تو وہ بعد خوشی چلا آیا تھا۔ غالباً" کینی بل جانتا تھا کہ فرید کا بوگارو سے جھگڑا ہوچکا تھا اور بوگارو شکست کھانے کے بعد زخمی سانپ کی طرح تلملایا ہوا تھا۔ پھر فرید نے اس کے قیمتی دو منہ والے شیر کو ہلاک کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا لہٰذا اسے سزا بھی دینی تھی۔ اس وجہ سے اس نے سوچ سمجھ کر بوگارو اور فرید کو زندگی موت کا فیصلہ کرنے کے لیے ٹکرانے کا سوچا تھا۔

جب بوگارو بھی پائپ پر آیا تو اسے اپنا توازن برقرار رکھنے کے لیے دونوں ہاتھوں کو دائیں بائیں پھیلانا پڑا۔

نیچے موجود سانپوں کی پھنکاریں اور ششکاریں تیز سے تیز تر ہوتی چلی جارہی تھیں۔ بیک وقت کتنے ہی سانپ بانسوں کی مانند کھڑے ہوتے اور گر جاتے ان کی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ ان انسانوں تک اپنا منہ لے جائیں۔ لمبائی میں قدرے چھوٹے سانپ اپنی گول گول شیشے جیسی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہے تھے جیسے وہ ان کے گرنے کے منتظر ہوں۔ بوگارو اپنے قدم جما جما کر پائپ پر چلتا ہوا فرید کے پاس آکھڑا ہوا۔ دونوں کے درمیان محض چند فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ فرید نے بھی بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ وہ خود کو کسی بھی طور سے کمزور ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔

بوگارو نے فاصلہ مزید کم کیا اور اچانک فرید نے اس کا ایک ہاتھ اپنی طرف بڑھتے دیکھا اس نے

فوراً" جھکائی دی۔ مگر وہ مار کھا گیا۔ بوگارو نے ہاتھ لہرایا ضرور تھا۔ مگر یہ اس کی چال تھی۔ اس نے اصل حملہ تو ایک ٹانگ سے کیا تھا۔ فرید کی توجہ تو ہاتھ کی جانب مبذول ہوچکی تھی۔ اس لیے وہ بوگارو کی تباہ کن لات سے خود کو نہ بچا سکا۔ اس کے جوتے کی نوک فرید کے پیٹ میں لگی اور وہ دوہرا ہوگیا اس نے ہاتھ سے بچنے کے لیے اپنے جسم کو جھکائی دی تھی۔ یہ تو شکر ہے کہ اس کا چہرہ جوتے کی نوک سے بچ گیا تھا ورنہ شاید وہ اس ایک ہی ضرب سے سیدھا سانپوں کے اوپر جا گرتا۔ البتہ وہ لڑکھڑا گیا تھا۔ اس حالت میں بھی اس کی توجہ بدستور توازن پر مرکوز تھی۔ وہ گرنے لگا تھا مگر پھر خود کو سنبھال لیا۔ بوگارو اپنی چال کامیاب ہوتے دیکھ کر جوش سے بھر گیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنی قمیض اتاری اور اس کا گولا بنا کر فرید کے منہ پر دے ماری۔ فرید نے اپنے سر نیچے کرتے ہوئے اس کی قمیض کو کیچ کرلیا۔

انسان عقل سے کام لے تو ایسے سنگین اور نامساعد حالات میں بھی حقیر سے حقیر شے کو کارآمد بنا سکتا ہے ہر اس شے کو ہتھیار کے طور پر موثر طریقے سے استعمال کرسکتا ہے جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے کہ اس سے ہتھیار کا کام لیا جاسکتا ہے۔ دو منہ والے شیر سے بھی فرید نے جس ذہانت اور حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نمٹا تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس وقت بھی اس نے اپنی ذہانت سے کام لیا تھا۔ بوگارو کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ فرید اس کی قمیض کو اس کے خلاف استعمال کرسکے گا۔ فرید اپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے بازی گر کی طرح اچھلا اور چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے پیر "ٹھک" سے پائپ پر آکر جمے تھے جیسے طاقتور مقناطیس لوہے سے چپک جاتا ہے۔ بوگارو نے بڑی حیرت پاش نظروں سے فرید کو بغیر عقب میں دیکھے اچھلتا دیکھا تھا۔

فرید نے اپنے قدم جمتے ہی ایک پاؤں اٹھا کر انتہائی پھرتی سے جوتا اتار لیا اور مضبوط تلے والے بھاری جوتے کو اس نے قمیض کے اندر رکھ کر اس طرح اس میں گرہ لگا دی کہ جوتا اندر بند ہوکر رہ گیا تھا۔ اب فرید نے قمیض کی دونوں لمبی آستینیں ہاتھ میں پکڑ کر گھمانا شروع کردی۔ جوتا گھوم رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بوگارو کی آنکھوں میں تشویش کے سائے سانپوں کی طرح لہرانے لگے تھے۔ وہ احمقوں کی طرح فرید کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی قمیض گولا بنا کر فرید کی جانب اس مقصد سے پھینکی تھی کہ شاید وہ اس سے بچنے کی غرض سے غیر متوازن ہوجائے اور وہ اس پر حملہ کردے مگر دونوں ہی باتیں نہیں ہوسکیں۔ تیسری بات ہوگئی جو اب اس کے سامنے تھی۔

فرید نے اب پیش قدمی شروع کردی۔ وہ نن چکو کے انداز میں قمیض کو اپنے سامنے گھما رہا تھا۔ بھاری جوتا گھوم رہا تھا۔ اچانک فرید نے منہ سے ایک باریک اور زوردار آواز نکالی ایک لمحے کے لیے بوگارو اس کی آواز سے بوکھلا گیا۔ وہ سمجھا کہ شاید فرید نے اس پر حملہ کردیا ہے۔ لہٰذا وہ پیچھے ہٹا۔ ایک پیر ذرا سا رپٹا اور بوگارو کا توازن بگڑ گیا۔ وہ ہوا میں ہاتھ نچا رہا تھا۔ جس سمت میں وہ گرنے لگا تھا ادھر اس کی دہشت سے پھٹی پھٹی نظریں نیچے کی طرف گئیں۔ اسے اس بری طرح ہاتھ لہراتے دیکھ کر نیچے سانپوں کا اشتعال بڑھ گیا تھا۔ بیک وقت کئی موٹے موٹے سانپ بانسوں کی طرح

itsurdu.blogspot.com

کھڑے ہوئے۔ ان کے سرخ منہ پوری طرح کھلے ہوئے تھے۔ بوگارو کی نظر ایک سانپ کے کھلے ہوئے منہ میں کافی گہرائی تک چلی گئی تھی۔ اسے ایسا لگا کہ وہ ایک موٹے سے متحرک پائپ کے سوراخ کو دیکھ رہا تھا۔۔۔ سانپ کے نوکیلے دانت خنجروں کی طرح لگ رہے تھے۔ بوگارو اگر اس وقت نیچے گر جاتا تو ان موٹے اور سیدھے کھڑے ہوئے سانپوں کے منہ پر گرتا۔ وہ شاید اسے باقی سانپوں پر گرنے سے پہلے ہی آدھا کھا چکے ہوتے۔ حد سے بڑھے ہوئے خوف نے اسے سنبھلنے پر مجبور کردیا تھا۔

فرید کے پاس موقع تھا کہ وہ اس پر حملہ کر کے اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اسے سانپوں پر دھکا دے دیتا۔ اس کے لیے محض ایک معمول سی ٹھوکر ہی کافی رہتی مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس لمحے فرید نے اپنے سامنے عین نیچے کی طرف بڑے سانپوں کے درمیان میں سے ایک اژدن سانپ کو تیر کی تیزی سے نکلتے دیکھا۔ اس کا رخ فرید کے چہرے کی جانب تھا۔ فرید نے سانپ سے بھی زیادہ پھرتی سے قمیض کو گھمایا۔ قمیض میں موجود جوتا اڑتے ہوئے سانپ پر لگا اور وہ واپس نیچے سانپوں کے ڈھیر پر گر کر نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا۔ بوگارو اب خاصا خوفزدہ ہوگیا تھا۔ ایک تو سانپوں کا خوف اور اوپر سے فرید کے ہاتھ میں گھومتے ہوئے "ہتھیار" نے اسے آدھا کر ڈالا تھا۔ وہاں کھڑے ہوئے نگراں بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ یقیناً بوگارو بھی زندگی اور موت کا یہ کھیل دیکھ رہا تھا۔

اس مرتبہ فرید نے فیصلہ کن حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور اسی انداز میں حملہ کیا جس انداز میں بوگارو نے اس پر کیا تھا۔ اس نے قمیض کو بے پناہ تیزی سے گھما کر بوگارو کے چہرے پر دے مارا۔ اس نے بچنے کی بہت کوشش کی۔ مگر بچ نہ سکا اور جوتا عین اس کے چہرے پر پڑا۔ بوگارو خارش زدہ کتے کی مانند چلایا۔ بے اختیار اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ چوٹ لگتے ہی وہ یہ بھول کر بیٹھتا چلا گیا کہ وہ ایک پائپ پر کھڑا ہے۔ اس چکر میں اس کا پیر پھسل گیا اور وہ نیچے گرنے لگا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب فرید نے برقی کوندے کی مانند بڑھ کر اس کا دوسرا پیر تھام لیا۔ اب بوگارو کا آدھا دھڑ نیچے لٹکا ہوا تھا وہ اتنا نیچے ہوگیا تھا کہ بڑے سانپ اس کے چہرے پر کاٹ سکتے تھے۔ اسے نیچے لٹکا دیکھ کر یک مشت کوئی بیس پچیس موٹے موٹے سانپ اوپر بلند ہونے لگے۔ فرید کو ایسا لگا جیسے وہ بیس پچیس سانپ نہیں بلکہ کوئی ایک بڑی سی عفریت ہے۔ اس نے پوری قوت صرف کرتے ہوئے بوگارو کو مزید اوپر کھینچ لیا۔ اتنے میں ایک اژدن سانپ اچھل کر جھکے ہوئے فرید کی بشرٹ کے کالر سے آچپکا اس نے اپنے دانت کالر میں گاڑ دیئے۔ فرید نے فوراً ایک ہاتھ سے اس کی دم پکڑی اور جھلا کر اسے اپنے بڑے سانپ پر پھینک دیا۔ بڑے سانپ کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اژدن سانپ سیدھا اس کے منہ میں جاکر غائب ہوگیا۔ فرید نے جلدی سے بوگارو کو پائپ پر کھینچ لیا اس سلسلے میں اسے اپنے بدن کی پوری طاقت صرف کرنا پڑی تھی۔ بوگارو خاصا وزنی شخص تھا۔

بوگارو موت کے منہ سے نکل آیا تھا۔ اس کے بدن میں خوف کے مارے ابھی تک رعشہ تھا۔

فرید نے اس کی جان بچائی تھی۔ بوگارو اس کا دشمن تو تھا لیکن انسان بھی تھا اور شاید فرید اسے اپنے ہاتھوں سے تو ہلاک کر ڈالتا لیکن اس سے بوگارو کی ایسی بھیانک موت دیکھی نہیں جاتی جس میں ہزاروں سانپوں اسے کھا جاتے۔ بوگارو ہانپتے ہوئے تشکرانہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اب وہ فرید کو ایک دشمن نہیں بلکہ دوست کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

"شش... شکریہ..." بوگارو نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

فرید نے اس خوفناک ماحول میں مسکراتے ہوئے اپنا سر ہلا دیا۔

نگرانوں اور کینی بل کی نظروں میں یہ زندگی اور موت کا کھیل بے لطف انداز میں اختتام پذیر ہوچکا تھا۔ مگر فرید کا خیال تھا کہ اس کھیل کا انجام اس کے حق میں بہت بہتر ہوا تھا۔ آگے چل کر اس کا خیال درست ہی ثابت ہوا تھا۔ بہرحال اسے اس بات کا انتظار تھا کہ کینی بل اس کا اب کیا حشر کرتا ہے۔

ظاہری بات ہے معاف تو کرنے سے رہا۔ کیوں کہ دوزخ میں معافی کا تو تصور بھی نہیں تھا۔

کینی بل کے حکم پر ان دونوں کو دوبارہ قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ فرید اس بات سے بے انتہا خوش تھا کہ اس کی ہمدردی نے ایک خوفناک دشمن کو اس کا دوست بنا دیا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی طاقت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ ہرچند کہ وہ بھی قید میں بے بس تھا اور بوگارو بھی۔ لیکن یہ احساس باعث طمانیت ہی تھا کہ اب وہ یہاں اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کے ہم خیال کئی آدمی اس کے دوست بن چکے ہیں۔ جن میں جورڈن بوگارو اور ایڈریو شامل تھے۔ تھوڑی سی کمک کوسٹا کی وجہ سے دل میں البتہ باقی تھی۔ اس نے جس انداز میں فرید کو دھوکا دیا تھا۔ وہ واقعی افسردہ کردینے کے لیے کافی تھا۔ بہرحال یہ فرید کے حق میں بہتر ہی ہوا تھا کہ کوسٹا پہلے ہی کھل گیا تھا۔ اس نے اپنی اصلیت پہلے ہی مرحلے پر ظاہر کردی تھی ورنہ عین ممکن تھا کہ وہ کسی ایسے موقع پر دھوکا دیتا جب فرید کو صرف اپنی ہی نہیں بلکہ اپنے دوسرے دوستوں کی جانیں بچانا بھی مشکل ہوجاتیں۔

اسے حیرانی اس بات کی تھی کہ کینی بل اسے اتنی ڈھیل کیوں دے رہا ہے۔ اس کی وجہ کیا تھی۔ کیونکہ اس کے جرم تو "دوزخ" کے قوانین کے حساب سے ناقابل معافی تھے۔ اس نے کینی بل کا ایک نہایت قیمتی ہیرا شیر اپنی ذہانت کے بل پر موت کے گھاٹ اتار ڈالا تھا۔ اس نے کئی لنگور نما نگرانوں کو لمبی نوکیلی چٹانوں کے نیچے دبا کر ہلاک کردیا تھا۔ اس نے بوگارو سے جنگ کر کے اسے ہلاک کرنے کے بجائے اس کی جان بچائی تھی۔ جبکہ وہاں اگر دو قیدیوں کے درمیان لڑائی کرائی جاتی ہے تو ہو مقابلہ لازماً کسی ایک کی موت پر انجام پذیر ہوتا ہے مگر فرید یہاں بھی روایت شکنی کا مرتکب ہوا تھا۔

فرید کو قید خانے میں بند ہوئے دوسرا دن تھا۔ اس دوران میں اسے وہاں سے نکالا نہیں گیا تھا۔ یہ قید خانہ بھی کال کوٹھی کی طرح تھا۔ وہاں روشنی کی ایک معمولی سی رمق بھی نہ تھی۔ حتیٰ کہ چند گھنٹوں بعد ہی فرید یہ اندازہ لگو بیٹھا تھا کہ اس کال کوٹھری کا دروازہ کسی سمت میں ہے۔ اس نے اس اثناء میں دروازہ تلاش کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی تھی۔ لازمی سی بات ہے وہ باہر سے بند ہی ہوگا اور وہ محض اسے ہاتھوں کی مدد سے نہیں کھول سکے گا۔

اندھے کنوئیں میں اسے کوڑھی نے جو چاقو دیا تھا وہ بھی اس کے پاس نہ رہا تھا لیکن اس چاقو نے فرید کی جان

itsurdu.blogspot.com

بچانے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ محض ایک چاقو سے اس نے کتنے ہی لنگور نما نگرانوں کا شکار کیا تھا۔ وہ جب بھی اس لمحے کا تصور ذہن میں لاتا تھا تو اسے ایک ناقابل بیان خوشی کا احساس ہوتا تھا۔ اس کل کوٹھری میں قید تنہائی کے بعد اس کا ذہن رفتہ رفتہ مفلوج سا ہونے لگا تھا۔ کال کوٹھری کے دبیز اندھیرے نے اس کی کھوپڑی میں بھی اندھیرے بھر دیئے تھے وہ صحیح معنوں میں کچھ سوچنے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ یہاں سے نکلنے کے بارے میں غور کرنے لگا اس کا دماغ چٹخنے لگا۔ ایک عجیب سی چڑ مراہٹ کے ساتھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سکڑ کر رہ جاتی تھیں۔

اس کی ایک اہم ترین وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے دو دنوں سے کھانے کا ایک لقمہ تک نہ لیا تھا۔ لیتا بھی کیسے؟ اسے خوراک کے نام پر ایک دانہ بھی نہیں ملا تھا۔ ایک بار پھر پیاس نے اسے ادھ موا کر ڈالا تھا۔ حلق میں پپڑیاں سی جم گئی تھیں۔ وقت کا احساس وہ کھو بیٹھا تھا۔ نہ جانے کب دن ہوتا تھا اور کب رات۔ وہ ہر لمحے کسی کی آمد کا منتظر رہتا تھا۔ کسی کی بھی۔ چاہے وہ ملک الموت ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے لیے آنکھیں کھولنا یا بند کرنا ایک برابر ہی ہو کر رہ گیا تھا۔ دونوں ہی صورتوں میں اس کے لیے اندھیرا ہی تھا۔ ایسے ہی کسی وقت وہ کال کوٹھری کی پکی پتھریلی زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ ایکا ایکی اس نے کچھ عجیب سی آہٹیں سنیں۔ فرید کے جسم میں دہشت کے نیزے آ کر پیوست ہو گئے۔ اسے فوری طور پر اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ آہٹیں کہاں سے ابھری ہیں۔ پھر روشنی کی ایک پتلی سی لکیر کال کوٹھری کے پیلے فرش پر نمودار ہو گئی۔ جو بتدریج موٹی ہوتی چلی گئی۔

فرید نے نہ جانے کتنے گھنٹوں بعد روشنی دیکھی تھی۔ ہر چند کہ وہ تیز روشنی نہیں تھی لیکن پھر بھی اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ روشنی کال کوٹھری کا دروازہ کھلنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اور اب اس دروازے سے کوئی ہیولہ تیزی سے اندر داخل ہوا ہے اس ہیولے کے ہاتھوں میں ٹارچ تھی۔ جو اندر آنے کے بعد اس نے روشن کر لی تھی۔ اگلے ہی لمحے فرید نے ایک سرگوشی سنی۔

"تم..... تم کدھر ہو مسٹر فرید....." آواز شناسا تھی۔ اس وقت روشن گولہ فرید پر پڑا۔ فرید کی آنکھوں میں مرچیں گھس گئیں اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"کون..... کون ہو تم.....؟" فرید نے ہکلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں نقاہت عیاں تھی۔ تب اسے یوں لگا جیسے کوئی تیزی سے اس کے نزدیک آیا ہے۔ "مسٹر فرید یہ..... میں ہوں تمہارا دوست..... کوشا....."

"کوشا.....؟" فرید کو یہ نام جانا پہچانا سا لگا۔

"ہاں..... تم نے میری جان بچائی تھی نا..... اور میں نے تمہیں اپنا دوست کہا تھا۔" کوشا نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا۔ دفعتاً فرید کو یاد آ گیا۔ "اف..... یہ کیا ہو گیا ہے میرے دماغ کو۔" اس نے سر کو تھامتے ہوئے سوچا۔ دیکھا جائے تو دو دن کوئی اتنے زیادہ نہیں ہوتے کہ انسان دو دن پہلے کی بات ہی بھول جائے لیکن کال کوٹھری کے اندھیرے قید تنہائی، بھوک اور پیاس نے اس کے دماغ پر بڑے منفی اثرات ڈالے تھے۔ اور پھر بھوک تو ویسے ہی بڑی ظالم ہوتی ہے۔ اچھے اچھوں کے ہوش گم کر ڈالتی ہے۔

"ہاں..... ہاں مجھے یاد آ گیا....." فرید نے دبے دبے جوشیلے انداز میں کہا۔ "مگر..... مگر تم نے تو مجھے دھوکا دیا تھا۔"

"نہیں میرے دوست....." کوشا نے بہ عجلت تمام کہا۔ "وہ دھوکا نہیں تھا۔ میں بھلا اپنے دوست کو دھوکا کیسے دے سکتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہوا تھا کہ میں نے دھوکا تمہیں نہیں بلکہ ان لوگوں کو دیا تھا جنہوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ میں ان سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لہٰذا میں نے یہی سوچا کہ فی الحال ان لوگوں کو دھوکے میں رکھ کر خود کو بچا لیا جائے اور موقع دیکھ کر تمہیں ان کی قید سے نکال لوں۔"

"لیکن اگر کیپٹن بل مجھے فوراً ہی ہلاک کرنے کا حکم دے دیتا..... تب پھر تم کیا کرتے.....؟" فرید نے الجھن آمیز نظروں سے کوشا کی طرف دیکھا جو ایک تاریک ہیولے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔

"ظاہر سی بات ہے ایسی صورت میں..... میں تمہیں بچانے کے لیے اپنی جان پر بھی کھیل جاتا....." کوشا کی سنجیدہ آواز ابھری "فی الحال تم جلدی سے اٹھو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بہت کمزوری محسوس کر رہے ہو گے۔ تمہیں ان دو دنوں میں کھانا پینا نہیں دیا گیا ہے۔ اس لیے میں تمہارے لیے پانی اور یہ خوراک لایا ہوں۔ اسے فوراً اپنے معدے میں اتار لو۔"

یہ کہہ کر کوشا نے اپنے لباس میں سے ایک بوتل اور پلاسٹک کی ایک تھیلی نکال کر فرید کی طرف بڑھائی۔

فرید نے کچھ کہے سنے بغیر وہ دونوں چیزیں اس سے لے لیں اور ان سے انصاف برتنے لگا۔ تھیلی میں کسی پرندے کا بھنا ہوا گوشت تھا نہ جانے وہ کون سا پرندہ ہو گا۔ فرید نے جان بوجھ کر اس کے متعلق کوشا سے نہیں پوچھا۔ اگر وہ اسے بتاتا کہ یہ کسی ایسے پرندے کا گوشت ہے۔ جسے کھانا مسلمانوں کے لیے حرام اور باعث کراہیت ہے تو وہ پیٹ بھرنے سے محروم رہ جاتا۔

بہر طور فرید نے انتہائی تیزی سے وہ بنا گوشت اپنے معدے میں اتارا اور پانی پی کر کھڑا ہو گیا۔ ایسے نامساعد حالات میں اسے یہ کھانا کسی نعمت سے کم نہیں لگا تھا۔ اس کے پیٹ میں ایندھن پہنچا تو جسم کی مشینری کام کرنے لگی۔

کوشا اسے اپنے ساتھ لیے وہاں سے باہر نکلا۔ وہاں غاروں جیسے کئی راستے بنے ہوئے تھے۔ ہو کا عالم تھا۔ کچھ دور فرید نے ایک نگران کو پڑے دیکھا اس کی گردن معمول سے زیادہ لمبی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ کوشا نے اس کی گردن پر کوئی مہلک داؤ آزمایا تھا جس کی وجہ سے اس کی گردن کے مہرے ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔

"اس طرف....." کوشا نے ایک راستے کی طرف اشارہ کیا۔

فرید اس کی تقلید میں اس کے پیچھے لپکا۔ آزادی کے احساس نے اس کے جسم میں بجلی بھر دی تھی۔ اس کو اندازہ تھا کہ اگر اب وہ پکڑا گیا تو پھر اسے کوئی بھی نہیں بچا سکے گا۔ اس کے ساتھ کوشا کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

"آج موقع اچھا ہے۔" کوشا چلتے چلتے بول رہا تھا۔ "ہم باقی قیدیوں کو بھی آزاد کرا سکتے ہیں۔ کیوں کہ نگرانوں کی اکثریت قیدیوں والے حصے میں نہیں ہے۔ تمہارے اور کون کون سے ایسے ساتھی ہیں جو اس قید خانے سے نکلنے کے خواہش مند ہیں۔"

"تین چار دوست ایسے ہیں جو اگر ہمارے ساتھ ہو گئے تو ہماری طاقت میں زبردست اضافہ ہو جائے گا۔" فرید نے کوشا کو بتایا۔

itsurdu.blogspot.com

"تب ٹھیک ہے ہم پہلے ان کی طرف چلتے ہیں تم مجھے بتادینا کہ وہ کون سے قید خانے میں قید ہیں۔" کوسٹا نے کہا اور فرید اثبات میں گردن کو جنبش دینے لگا۔

کوسٹا فرید کو اپنے ساتھ لیے اس سمت میں بڑھنے لگا۔ جہاں قید خانے اور پنجرے تھے۔ فرید کو اس بات پر حیرانی تھی کہ کینی بل ان حالات سے قطعی لاعلم تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کینی بل کو اس بات پر حد درجے اطمینان تھا کہ کوئی قیدی "دوزخ" میں سے فرار ہونے کی حماقت نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ جو فرار ہونے کی کوشش کرے گا اس کو ہولناک مزا بھگتنا پڑے گا۔ بالآخر وہ لوگ اپنی مطلوبہ منزل پر پہنچ گئے۔ اس جگہ پنجرے اپنی جگہ سے حرکت کررہے تھے۔ یہ ایک عجیب وغریب منظر تھا۔ متحرک پنجرے دیکھ کر فرید کی عقل چکرا رہ گئی۔ ایسے میں اینڈریو بوگارو وغیرہ کو تلاش کرنا ایک دشوار ترین کام تھا۔ کوسٹا نے دیکھ بھال کر ہی اس وقت کا انتخاب کیا تھا۔ وہاں بمشکل چند ہی نگراں دکھائی دے رہے تھے۔

فرید اور کوسٹا کو صرف ان سے نمٹنا تھا۔

وہ نگراں بڑے اطمینان بھرے انداز میں ایک ہی جگہ جمع تھے انہیں قیدیوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیوں کہ قیدی آہنی پنجروں میں قید تھے اور پھر اس وقت ان پنجروں میں کرنٹ بھی دوڑ رہا تھا۔ قیدی پنجروں کی ان سلاخوں کو چھو بھی نہیں سکتے تھے جو دیواروں کا کام دے رہی تھیں۔ وہ نگراں تعداد میں چار تھے۔

کوسٹا نے کہا "اگر ہم نے ان پر فائر کیے تو فائر کی آوازیں ہمارے لیے مصیبت کھڑی کردے گی.... لہٰذا ان سے نمٹنے کے لیے کچھ اور ہی سوچنا ہوگا۔" فرید نے تائیدی انداز میں سرہلایا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے... اور پھر تم لوگوں کے یہ عجیب وغریب پستول بہت ہی خوفناک ہیں۔ ان کی گولی تو بم کی طرح پھٹتی ہے۔"

کوسٹا کسی گہری سوچ میں غرق ہوگیا۔ فرید بھی اپنی جگہ ان نگرانوں سے نمٹنے کے لیے کوئی ترکیب سوچ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد کوسٹا بولا "یہ تم پستول اپنے پاس رکھو.... میں ان کے پاس جارہا ہوں.... ایک ترکیب ذہن میں آئی ہے۔ بس تم کسی پوشیدہ جگہ سے مجھ پہ نظر رکھنا اور جہاں ضروری سمجھو۔ فائر کردینا۔ اب ہم سمندر میں کود ہی پڑے ہیں۔ چاہے تیرنا آتا ہو یا نہیں.... ہاتھ پیر تو مارنے ہی ہوں گے۔" کوسٹا کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ تھی۔

فرید نے اس کے ہاتھ سے پستول لیتے ہوئے جوابی مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

کوسٹا اگر ابھی ان نگرانوں کے پاس بھی چلا جاتا تو اسے ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیوں کہ ان لوگوں پر کوسٹا کی اصلیت اور اس کے عزائم ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ البتہ فرید کو اگر وہ اس طرح آزاد دیکھ لیتے تو وہ مشکل میں پڑ جاتا۔ اس بات کے سو فیصد امکانات تھے کہ وہ فرید کو دوسرا سانس لینے کی مہلت بھی نہ دیتے۔

کوسٹا اس پوشیدہ جگہ سے نکلا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا نگرانوں کی جانب بڑھنے لگا۔

فرید کا دل دھک دھک کررہا تھا۔ اس کے ماتھے پر ہی نہیں بلکہ پورے جسم پر پسینے کی دھاریں پھوٹ پڑی تھیں۔ یہ بڑے بھاری اور نازک لمحات تھے۔ ایک جوا تھا۔ لگا تو تیر ورنہ تکا تو تھا ہی۔ تقدیر ان کے حق میں فیصلہ دے سکتی تھی اور ان کے خلاف بھی۔ نہ جانے اب کیا ہونے والا تھا۔ پنجروں میں قید بہت سے قیدی بیدار تھے اور وہ بھی چونک کوسٹا کو دیکھنے لگے۔ یہاں کسی نجات دہندہ کے بارے میں سوچنا بھی حماقت ہی لگتی تھی۔ بھلا اس جگہ ان کو

آہنی زنداں سے چھڑانے کے لیے کون آئے گا اور پھر مسئلہ صرف ان آہنی پنجروں کا ہی نہیں تھا۔ آہنی پنجروں سے آزادی حاصل کرلینے کے بعد خود کو آزاد خیال کرنا اس سے بڑی حماقت ہوگی۔ ان کا اصل قید خانہ تو یہ پورا بھیانک جزیرہ تھا جو "دوزخ" کے نام سے موسوم تھا۔ کوسٹا اب نگرانوں کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

وہ بھی اسے اپنی جانب آتا دیکھ رہے تھے۔ لیکن ان کے انداز میں کوئی تبدیلی یا جارحیت نہیں آئی تھی۔ کوسٹا ان کے ہی جیسا لنگور نما انسان تھا اور ان کے ہی جیسے حلیے میں تھا۔ وہ سب نگراں ایک پنجرے کے پاس کھڑے تھے۔ فرید کی گہری نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں وہ ان سے خاصے فاصلے پر تھا تب فرید نے سوچا کہ وہ اتنی دور سے صرف پستول سے فائر ہی کرسکتا ہے۔ اگر نزدیک چلا جائے تو ہاتھ پیروں سے بھی کوسٹا کا ساتھ دے سکتا ہے۔ جو کہ ان کے حق میں زیادہ بہتر رہے گا۔ پستول سے فائر کرنے میں ایک قباحت یہ بھی تھی کہ گولی کوسٹا کے بھی لگ سکتی ہے۔ چناں چہ اس نے سانپ کی تیزی سے اپنی جگہ چھوڑی اور متحرک پنجروں کی آڑ میں ان کی جانب پیش قدمی کرنے لگا۔

اکثر قیدی سو رہے تھے اور جو بیدار تھے انہوں نے فرید کو حیرت پاش نظروں سے دیکھا۔

نئے قیدی کی حیثیت سے قیدی اسے جانتے تھے اور پھر اس نے جس طرح بوگارو کے غرور کا بت پاش پاش کیا تھا۔ وہ بھی قیدیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ لہٰذا فرید ان کے لیے کوئی اجنبی نہ رہا تھا۔ قیدی سمجھ گئے کہ وہ کسی نہ کسی طرح آزاد ہوگیا ہے اور اب ان کی آزادی کے لیے وہاں موجود نگرانوں سے نمٹنے کے لیے جارہا ہے اس لیے وہ سب خاموشی سے دم سادھے اسے دیکھتے رہے۔

"معاً" فرید نے ایک بڑی دلی آواز سنی "ہے.... مسٹر فرید...."

آواز جانی پہچانی تھی فرید ٹھٹک کر رکا اور گردن موڑ کر آواز کی سمت میں دیکھا۔ تب اسے ایک آہنی پنجرے میں بوگارو کی شکل دکھائی دی۔ اسے کینی بل کے حکم پر پنجرے میں قیدی بنا کر رکھا گیا تھا۔ جبکہ فرید کو کال کوٹھری میں بند کردیا گیا تھا۔ بوگارو نے اسے اپنی جانب متوجہ پاکر نہایت گرم جوشی سے ہاتھ ہلا کر اپنی ہتھیلی کا گومڑا دکھایا۔ گویا وہ اس کی بہادری کی داد دے رہا تھا اور نیک خواہشات رکھتا تھا۔ فرید نے بھی ہاتھ ہلا کر اس کی گرم جوشی کا جواب دیا۔ اس لمحے اس نے ایک اور شناسا آواز سنی۔ یہ ایک قریب آنے والے پنجرے میں سے ابھری تھی۔ فرید نے دیکھا کہ اس پنجرے میں جیری اور جورڈن درمیان میں کھڑے اسے مسرت آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

فرید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ناگہاں اسے قدموں کی تیز آہٹیں سنائی دیں۔ فرید نے چونک کر دیکھا۔ کوسٹا ان چاروں نگرانوں کو اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ نہ جانے اس نے ان نگرانوں سے کیا کہا تھا کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ فرید سمجھ گیا کوسٹا ان کو گھیر کر لا رہا تھا۔ اس نے یقیناً" ان سے کوئی بہانہ کیا ہوگا۔ فرید کو اس موقع سے فائدہ اٹھانا تھا۔

ابھی فرید وہاں سے نکل کر ان نگرانوں پر پستول تاننے کا ارادہ کررہا تھا کہ اچانک اس کی نظر اپنے دائیں جانب پڑی۔ وہاں سے ایک ہیولا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فرید کے گردن موڑتے ہی ہیولا ایک پنجرے کے عقب میں غائب ہوگیا تھا۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ یقیناً" کوئی اور ہی نگراں تھا جس نے فرید کو دیکھ

itsurdu.blogspot.com

لیا تھا۔ فرید بجلی کی پھرتی سے اس سمت میں پکا جہاں اس نے ہیولہ دیکھا تھا۔ پھر اس نے ہیولے کو دیکھ لیا وہ واقعی کوئی اور ہی نگراں تھا۔ اس سے پیش تر کہ فرید اس تک پہنچ پاتا وہ زور سے چلایا اور کسی جناتی زبان میں اپنے ساتھی نگرانوں کو فرید کی موجودگی میں باخبر کر دیا۔ اسی وقت فرید اس کے سر پہ پہنچ گیا۔ وہ نگراں فرید کے ہاتھوں میں پستول دیکھ چکا تھا۔ لہٰذا وہ بدک کر ایک سمت میں بھاگا۔ وہ ایک پنجرے سے گزر کر وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا کہ فرید اپنی جگہ سے اچھلا اس کی چھلانگ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ جیسے کوئی بڑا سا عقاب اپنے شکار پر جھپٹ رہا ہو۔ اس کے ہاتھ آگے پھیلے ہوئے تھے۔ فرید پوری قوت سے اس نووارد نگراں کی پشت سے جا ٹکرایا۔

اس کے منہ سے بھیانک چیخ نکل گئی۔ زوردار دھکا لگنے سے اس نگراں کے قدم زمین پر سے اکھڑ گئے اور وہ کئی فٹ اچھل کر سامنے ایک پنجرے سے جا ٹکرایا۔ پھر دیکھنے کا منظر تھا۔ پنجرے کی آہنی سلاخوں میں کرنٹ دوڑ رہا تھا۔ نگراں اس سے جا کر چپک گیا۔ اس کے منہ سے ٹوٹی پھوٹی چیخیں نکل رہی تھیں اور پورے جسم میں نیلی شعاعیں چمکارے مارتی ہوئی دوڑ رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم سے دھواں نکلنے لگا۔ اور وہ پگھلی ہوئی حالت میں نیچے گرنے لگا۔

ادھر اپنے کسی ساتھی کی چیخ سن کر چاروں نگراں ایک دم بدک گئے تھے۔ کوسٹا بھی پریشانی سے آواز کی سمت دیکھ رہا تھا۔ ان چاروں نے اپنے اپنے پستول نکال کر ہاتھوں میں تھام لیے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے ساتھی نگراں کی تکلیف دہ چیخیں سنیں۔ وہ چاروں چیخ کی طرف غراتے ہوئے بڑھے۔ کوسٹا کو اب بھی وہ اپنا ساتھی ہی سمجھ رہے تھے۔ اس لیے وہ اس سے آگے نکل گئے تھے۔ کوسٹا نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فرید کسی نگراں سے بھڑ گیا ہے اور نگراں کی تکلیف میں ڈوبی ہوئی چیخوں سے واضح ہوتا تھا کہ وہ اس پر قابو بھی پا چکا ہے۔ نقصان صرف یہ ہوا تھا کہ یہ چاروں کھٹک گئے تھے اور اب وہ کسی بھی وقت فرید کو چھاپ سکتے تھے۔ یہ سوچ کر کوسٹا پھرتی سے ان کے قریب پہنچا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دو نگرانوں کے کندھوں پر دھر دیئے۔ وہ پلٹ کر سوالیہ انداز میں کوسٹا کو دیکھنے لگا۔ باقی دو نگراں ان سے کئی قدم آگے نکل چکے تھے۔

کوسٹا نے یک بارگی ان دونوں کو پوری قوت سے پنجروں کی طرف دھکا دیا۔ وہ اس غیر متوقع حملے کے لیے قطعی طور پر تیار نہ تھے۔ وہ تو یہ سمجھے تھے کہ کوسٹا ان سے کچھ پوچھنا چاہ رہا ہے۔ وہ دونوں دھکا کھا کر اڑتے ہوئے آہنی پنجروں سے جا کر ٹکرائے اور پھر ان کا بھی وہی حشر ہوا۔ جیسا فرید کے شکار کا ہوا تھا۔ آگے جانے والے دونوں نگراں پلٹے تو انہوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو پنجروں سے چپکے دیکھا جن کے جسموں میں کرنٹ دوڑ رہا تھا۔ انہوں نے لمحہ بھر میں جان لیا کہ انہیں پنجروں کی طرف دھکیلنے والا کون تھا۔

لیکن آج ان کا وقت نہیں تھا۔ وہ کوسٹا کی طرف پلٹے تو فرید کی طرف ان کی پشت ہو گئی۔ فرید دوڑا اور ان دونوں پر اس انداز میں ٹوٹا کہ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ بلکہ کسی پہلوان کا سا انداز تھا۔ ان دونوں کی پستول چلانے کی خواہش دل میں ہی رہ گئی تھی۔ وہ پتھریلی زمین پر گرے تو براہ راست ان کے چہرے زمین سے بری طرح ٹکرائے۔ وہ ہلکے سے پناخوں کی سی آوازیں ابھریں جو ان کے چہرے اور زمین کے تصادم کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھیں۔ کوسٹا نے بھی کار خیر میں حصہ لیا۔ وہ اس طرح کہ کوسٹا اپنی جگہ سے فضا میں عمودی بلند ہوا اور جب نیچے آیا تو

اس کے دونوں پاؤں ملے ہوئے تھے۔ ملے ہوئے پیر ایک نگراں کی کھوپڑی پر گرے تو پتھریلی زمین سے اس کا چہرہ ایک بار پھر ٹکرا گیا۔ کوسٹا کا وزن ٹھیک ٹھاک تھا۔ نگراں کا چہرہ ہموار پتھریلی زمین سے ٹکرا کر بالکل پلپلا ہو گیا تھا۔ اس اثنا میں فرید نے دوسرے نگراں کو بھی مزید تبرک دے دیا تھا۔

کوسٹا نے ہانپتے ہوئے فرید کی طرف دیکھا۔ قیدیوں میں بھی خوشی کی لہریں دوڑ گئی تھیں۔

فرید نے بہ عجلت تمام کوسٹا سے کہا "ہمارے پاس وقت محدود ہے... کسی طرح ان قیدیوں کو اس پنجرے سے نکالو... لیکن پہلے ہمیں ان پنجروں میں دوڑنے والے کرنٹ کو ختم کرنا ہو گا۔"

"اس کی تم فکر مت کرو..." میں جانتا ہوں کہ کرنٹ کہاں سے ختم کیا جائے گا اور ان کے دروازے کہاں سے کھلیں گے۔" کوسٹا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اس نے ایک سمت میں قدم بڑھا دیئے۔ اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ فرید نے اطمینان کی سانس لی۔ ظاہر ہے کوسٹا کا شمار بھی ان نگرانوں میں ہوتا تھا اور اسے یہاں کے ہر نظام کے بارے میں علم تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے سرسراہٹ کی آوازیں سنیں۔ لیکن اس سے پہلے ہی پنجروں کی حرکت بند ہو گئی تھی۔ تمام پنجروں کے دروازے کسی میکانیکی نظام کے تحت ایک ساتھ کھلتے چلے گئے۔

کرنٹ بھی ختم ہو چکا تھا۔ قیدی پنجروں میں سے باہر نکلنے لگے۔ ہر چند کہ وہ منہ سے کچھ نہیں بول رہے تھے کیوں کہ انہیں بھی حالات کی سنگینی کا احساس تھا لیکن اس کے باوجود ان کے کودنے اور چلنے کی آوازوں نے مل کر ایک ہنگامہ سا شور پیدا کر ڈالا تھا۔

"بات سنو... میری بات سنو..." فرید نے انتہائی مجبوری کے عالم میں قیدیوں کو مخاطب کیا۔ انہیں سمجھانا بھی ضروری تھا۔ "آپ سب لوگ ان پنجروں سے تو آزاد ہو چکے ہو... اب جس کا جہاں دل چاہے جا سکتا ہے... اس دوزخ نما جزیرے سے نکلنے کے لیے آپ اپنے طور پر کوششیں کر سکتے ہیں۔"

"ہم تمہارے ساتھ ساتھ ہیں۔" ایک قیدی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہاں... ہم تمہارے ساتھ ہی یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔" بہت سے قیدی یک زبان ہو کر بولے۔

"نہیں..." فرید نے سختی سے منع کر دیا "اس طرح ہم ایک ساتھ مارے جائیں گے... اگر ہم بہت سی ٹکڑیوں میں بٹ کر اپنے اپنے طور پر یہاں سے نکلنے کی کوششیں کریں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ٹولی اس جہنم سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے... اگر ہم ایک جگہ رہے تو دشمن کو ہم پر قابو پانے میں کوئی مشکل نہیں ہو گی۔ ایک بم بھی ہم سب کو تباہ و برباد کر دینے کے لیے کافی ہو گا۔"

"ہمارا یہ بہادر دوست درست کہہ رہا ہے۔" قیدیوں کے درمیان میں سے جیری نکل کر سامنے آ گیا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا فرید کے پہلو میں ٹھہر گیا "ہمیں واقعی الگ الگ گروپوں میں تقسیم ہو کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی ہو گی۔ اور یہی ہمارے لیے بہتر ثابت ہو سکتا ہے۔" اس دوران میں بوگارو اور جورژن بھی فرید کے دائیں بائیں آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

(باقی کے سنسنی خیز واقعات آئندہ قسط میں)

itsurdu.blogspot.com

آنچل کے مہکتے پھول

غربت کی عظمت

میں سوچتا ہوں (حضور اکرم) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو دوجہانوں کے بادشاہ تھے ان کا چولہا کیوں ٹھنڈا رہتا تھا؟ وہ چٹائی پر کیوں سوتے تھے؟ کھانے کے لیے ان کی چنگیری میں صرف دو کھجوریں ہوتی تھیں۔ کھانے لگتے تو دروازہ بجتا "میں بھوکا ہوں" اور وہ ایک کھجور سائل کو دے دیتے اور ایک خود کھالیتے۔ میں سوچتا ہوں، آپؐ جو دو عالم کے بادشاہ تھے، انہوں نے غربت کو کیوں پسند کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کم عقل، کم فہم تھے؟ پھر اگر وہ عقل کل تھے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ غربت میں کوئی عظمت ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غربت منتخب نہ کرتے۔ عمومیت میں کوئی بڑی خوبی ہے ورنہ عمومیت کی زندگی نہ بسر کرتے۔ عام لوگوں جیسا لباس نہ استعمال کرتے بوریا نشین نہ ہوتے اور ایک عام سے کچے مکان میں نہ رہے۔

(ممتاز مفتی کی کتاب "تلاش" سے مہوش فاطمہ، کراچی کا انتخاب)

قطرے سے گہر ہونے تک

گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اچانک پانی کا ایک ننھا سا قطرہ بادل سے ٹپکا اور دریا میں آگرا

۔ اسے دریا کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ ہوا تو اپنی ذات بہت حقیر نظر آئی۔ سوچنے لگا۔ اتنے بڑے دریا میں بھلا میری کیا ہستی ہے۔ میں تو کسی شمار قطار میں نہیں آسکتا۔ باقی رہوں تو کیا، فنا ہوجاؤں تو کیا۔ قطرے نے عاجزی سے یہ سب باتیں سوچیں تو ایک صدف نے منہ کھول کر اسے اپنے اندر لے لیا اور پھر اسکی پرورش کر کے ایک قیمتی موتی بنا دیا۔ یقیناً" یہ اعزاز اور مرتبہ اسے اس لیے ملا کہ اس نے خود کو حقیر جانا۔

فریال اکبر خان لاشاری

اقوال دانش

☆ مریض کا باپ کوئی بھی ہو، خراب غذا اس کی ماں ضرور ہوتی ہے۔

☆ جو شخص دوا کھاتا ہے لیکن غذا کا خیال نہیں رکھتا وہ اپنے معالج کی قابلیت خاک میں ملاتا ہے۔

☆ تلوار سے اتنے آدمی نہیں مارے جاتے جتنے بسیار خوری سے مارے جاتے ہیں۔

☆ بیٹو اپنے دانتوں سے اپنی قبر کھودتا ہے۔

☆ فطرت، وقت اور مستقل مزاجی تین بڑے طبیب ہیں۔

☆ تم جہاں جہاں زمین کھودو، خزانہ تمہیں ضرور ملے گا، شرط صرف یہ ہے کہ زمین کامیابی کے یقین کے ساتھ کھودو۔

☆ اگر تمہیں پرستش کرنے والے اور دل پسند نوکر کی تلاش ہے تو اپنے خادم خود بنو۔

☆ جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔

☆ وقت ایک انمول ہیرا ہے اسے کھو کر پانا ناممکن ہے۔

عرفان دانش، اولڈ حاصل پور

رکاوٹ ہے.....

ترقی کی راہ میں سیاستدان
اتحاد کی راہ میں تعصب
نیکی کی راہ میں شیطان
شرافت کی راہ میں رشوت

itsurdu.blogspot.com

قناعت کی راہ میں حسد
صحت کی راہ میں منشیات
تعلیم کی راہ میں مہنگائی
ملازمت کی راہ میں سفارش
کامیابی کی راہ میں دولت

منیر احمد شہزاد، کوئٹہ

پڑھیں اور عمل کریں

☆ دل کی قوت "ذکر خدا" میں ہے۔
☆ دماغ کی قوت "تلاوت قرآن پاک" میں ہے۔
☆ جسم کی تندرستی "نماز" میں ہے۔
☆ روح کی راحت "درود شریف" میں ہے۔

محمد مشتاق حسین قادری کشمیری، کراچی

معلومات

☐ کثرت سے وہیل مچھلیاں بحر منجمد شمالی اور بحر منجمد جنوبی میں پائی جاتی ہیں۔
☐ جسم کے گرد خاص قسم کی چربی کی موٹی تہہ ہے جو بہت ہلکی ہوتی ہے وہیل مچھلی کو تیرنے میں مدد ملتی ہے۔
☐ ڈولفن اور وہیل مچھلی میں ایک دونوں میں مشترک بات ہے دونوں مچھلیاں نہیں بلکہ دودھ پلانے والے جانور ہیں سانس لینے کے لیے سمندر کی سطح پر آتے ہیں جبکہ عام مچھلیاں سانس لینے کے لیے پانی میں ملی ہوئی آکسیجن استعمال کرتی ہیں۔

واجد نگینوی، ملیر کالونی، کراچی

دوزخ میں مجرموں کی حالت

اللہ ذوالجلال نے قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے والے مجرموں کی کیفیت کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ جب وہ دوزخ میں جائیں گے۔ پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔ یعنی اہل جہنم کو جہنم کی ہولناک آگ جھلسا دے گی تو وہ پانی کی تلاش میں بھاگیں گے تاکہ کہیں

ٹھنڈا پانی مل جائے۔ مگر وہاں پانی تو گرم ہوگا۔ کیونکہ یہ پانی کی وہ صفت ہے۔ جس کی گرمی اپنے آخری نقطے پر پہنچی ہوئی ہو، تو ان کی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگا رہے ہوں گے۔

صادق سعید، سری شاپک

اقوال زریں

○ دوستی ایسا پھول ہے جس میں کوئی کانٹا نہیں ہوتا۔
○ خدا کی یاد سب بلاؤں سے نجات دلاتی ہے۔
○ انسان کی سب سے زیادہ قیمتی چیز اس کا اخلاق ہے۔
○ ایک چھوٹی سی نیکی ایک بڑے نیک ارادے سے بہتر ہے۔
○ جو استاد کی عزت نہیں کرتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

فرزانہ ناز، تربت

کار آمد باتیں

☆ زندگی ایک ایسا ہیرا ہے جسے تراشنا انسان کا کام ہے۔
☆ تنہائی میں کتاب انسان کی بہترین ساتھی ہے۔
☆ نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔
☆ ہنر انسان کا سب سے بڑا دوست ہے۔

محمد فرمان، کھرک

سوچنے سمجھنے کی باتیں

☐ جسے سال بھر کوئی تکلیف نہ پہنچے تو سمجھ لو کہ رب اس سے ناراض ہے۔
☐ اگر کسی انسان کا اخلاق دیکھنا چاہتے تو اسے غصے میں دیکھو۔
☐ جب تک کسی کے ساتھ بات چیت نہ ہو تو کسی کو حقیر بھی نہ سمجھو۔
☐ غم کو زندگی میں کبھی شامل نہ کرو کیونکہ وہ عارضی ہوتا ہے۔

صفدر اقبال شاہین، بکھر بار

itsurdu.blogspot.com

اقوال زریں

☆ جھوٹ ایک ایسا رشتہ ہے جس سے دوسرے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔

☆ نیکی کا بدلہ انسان نہیں بلکہ خدا دیتا ہے۔

☆ اپنی چند لمحوں کی خوشی کے لیے کسی کے لبوں کی مسکراہٹ کبھی مت چھینو۔

گلشن اقبال، اسلام آباد

جانوروں سے ہم کیا سیکھتے ہیں؟

☐ چیونٹی سے کفایت شعاری، ذخیرہ اندوزی
☐ مرغی سے بچوں کی پرورش
☐ بیل سے فرماں برداری
☐ شیر سے دلیری، بہادری
☐ بندر سے چالاکی، پھرتی
☐ مرغ سے بیداری
☐ کتے سے وفاداری
☐ شہد کی مکھی سے محنت
☐ فاختہ سے سادگی
☐ گھوڑے سے تیزی

محمد قاسم علی زلفی، واہ کینٹ

نتیجہ گو گو۔ جون 2003ء

جواب:۔ جعفر طیارؓ جنگ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔

انعام یافتگان ☆۔ محمد یوسف بھٹو، وڈو ☆۔ ماریہ چشتی، سمندری ☆۔ توقیر اقبال وکی، جھنگ۔

"انوکھی کہانیاں رائیٹرز ایوارڈ"

اگست 2003ء

نام _____ عمر _____

مکمل پتہ _____

فون نمبر _____

مجھے اس شمارے میں _____ کی کہانی _____ پسند آئی۔

قلمی خبرنامہ

☆... محمد شعیب خان، واہ کینٹ نے ایم اے اردو پارٹ ون کا امتحان پاس کرلیا ہے اور اب فائنل کی تیاری کررہے ہیں۔

☆... بچوں کی دنیا کے ایڈیٹر سلیم شرقپوری گذشتہ ماہ انتقال فرما گئے۔ ادارہ انوکھی کہانیاں نے دلی تعزیت کا اظہار کیا ہے۔

☆... پروفیشنل چلڈرن میگزین سوسائٹی سندھ کے انتخابات گذشتہ دنوں عمل میں آئے۔ جس کے صدر محبوب الٰہی مخمور ایڈیٹر انوکھی کہانیاں ہیں۔ جبکہ جنرل سیکرٹری حنیف سحر ایڈیٹر چائلڈ اسٹار ہیں۔ جس کی تفصیلی خبر اسی شمارے میں ہے۔

☆..... پاکستان چلڈرن میگزین سوسائٹی کے سلسلے میں محمد شعیب مرزا اور حافظ سجاد قمر نے علیحدہ علیحدہ عہدے داران کا انتخاب کرلیا ہے۔ اور دونوں ہی PCMS کے لیے کام کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ حسب روایت ایک گروپ کو دعوۃ اکیڈمی (افتخار کھوکھر) کی سرپرستی حاصل ہے۔ گذشتہ پندرہ سالوں میں افتخار کھوکھر صاحب کی زیر سرپرستی PCMS کوئی کام نہ کرسکی ہے۔ البتہ کھوکھر صاحب کی مہربانی سے انتخابات وقت پر منعقد ہوتے رہے اور کام ٹائیں ٹائیں فش۔ ایک بار پھر کھوکھر صاحب کی زیر سرپرستی PCMS کے فعال ہونے کی خبریں آرہی ہیں۔ یہ فعال ہونا ایسا ہی ہوگا جیسا پندرہ سالوں سے ہے کہ خود کام کرو نہیں اور کسی کو کام کرنے بھی نہ دو۔

☆..... آر ایم راہی جو کھیل کھیل میں کام کررہے تھے۔ کھیل کھیل کو خیر آباد کہہ کر کہیں اور کوچ کرگئے ہیں۔

☆..... حسب روایت حیدر آباد کے کسی گمنام ادیب کا خط موصول ہوا ہے۔ جس میں کسی

itsurdu.blogspot.com

فسادی ادیب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بقول گمنام ادیب کے وہ اس فسادی ادیب کو اب درست کردیں گے۔ چلو کوئی تو سدھر جائے یہ اچھا ہے۔

☆.... بچوں کے شاعر سید اشرف پتھوی کا بچوں کے لیے نظموں کا مجموعہ رنگا رنگ کافی پذیرائی حاصل کررہا ہے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہورہا ہے۔ لگتا ہے کہ انہیں رنگا رنگ کا دوسرا ایڈیشن پرنٹ کرنا پڑے گا۔

☆.... رضیہ خانم' سیالکوٹ جن کے تبصرے اکثر قارئین پسند کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ موصوفہ اچھی شاعرہ بھی ہیں اور اپنی شاعری خود ہی پڑھتی ہیں۔ رضیہ خانم انوکھی کہانیاں کے صفحات آپ کی نظموں کے منتظر ہیں۔

☆.... توید سحر جام پور کا تازہ شمارہ ہمیں موصول ہوا۔ جس کے ارشاد حسین چیف ایڈیٹر ہیں۔ ارشاد حسین کی یہ اچھی کوشش ہے۔

☆.... محمد عرفان رامے' جھنگ کی زیر ادارت کہانی گھر کا تازہ شمارہ مارکیٹ میں آگیا ہے۔ اس مرتبہ سرورق دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ خواتین کا پرچہ ہے جس کی عرفان رامے نے وضاحت کی ہے کہ اب کہانی گھر کا انداز تبدیل ہوگیا ہے۔ البتہ بچوں کے لیے ایک علیحدہ پرچے کا جلد اجراء ہوگا۔

☆.... نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد کی جانب سے بذریعہ AMS کوریئر انعامی چیک بھیج دیئے گئے ہیں کوریئر کمپنی AMS کی کارکردگی اتنی اچھی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے انعام یافتگان کو کافی دنوں تک چیک نہیں ملے تھے۔ بلکہ بہت سے AMS کی مہربانی سے انعام یافتگان چیکوں سے محروم ہیں۔ انہیں چاہیے کہ فوراً NBF کو مطلع کریں۔

☆.... کامران جاذب' لاہور نے بی ایڈ کرلیا ہے۔ ایک بار پھر میدان ادب میں کود پڑے ہیں۔

☆.... آر ایم راہی اور جدون ادیب کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ نیشنل بک فاؤنڈیشن سے دونوں حضرات کے مسودے کافی عرصے قبل ہی مسترد ہوکر آگئے تھے۔ اس سال ان دونوں کو انعام تو انعام سرٹیفکیٹ کے لیے بھی منتخب نہیں کیا گیا ہے۔ پچھلے سال بچوں کے ایک ادیب کے مسودے کو مسترد کیے جانے پر اس کا انہوں نے مذاق اڑایا تھا۔ مکافات عمل کے تحت اسی سال ان کے ساتھ وہی سلوک ہوا جس پر انہوں نے اس ادیب کا مذاق اڑایا تھا۔

علاوہ ازیں اس ادیب کو اس سال NBF نے دوسرا انعام پندرہ ہزار روپے کا دیا ہے۔

☆.... انوکھی کہانیاں کے اسلامی مضمون نگار سید آصف جاوید نقوی نوکری کے سلسلے میں بحرین چلے گئے ہیں۔ البتہ اپنے قارئین کے لیے "عظمت کے مینار" کے سلسلے کے متعدد مضامین لکھ کر دے گئے ہیں۔ آصف نقوی آپ کی مزید تحریریں کدھر ہیں۔ فوراً" روانہ کرو۔

☆.... بچوں کے ادیب آصف جاوید سکندر کے والد محترم کا گذشتہ ماہ انتقال ہوگیا ہے۔ ادارہ انوکھی کہانیاں نے آصف جاوید سکندر سے دلی تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ علاوہ ازیں محبوب الٰہی مخمور' ایڈیٹر انوکھی کہانیاں نے خصوصی طور پر ان سے تعزیت کا اظہار کیا ہے اور مرحوم کے درجات میں بلندی کے لیے دعا کی ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت ضرور فرمائیں۔

معلومات عامہ

☐ یورپ کے ملک ناروے میں ۱۳ مئی اور ۳۱ جون کو سورج غروب نہیں ہوتا ہے۔

☐ ستاروں کی تعداد ایک سو کھرب ہے۔

☐ امریکہ کے صدر تھیوڈر روزویلٹ کی ماں اور بیوی ایک ہی دن فوت ہوگئیں۔

☐ کینیڈا میں تاش کے پتے بطور کرنسی استعمال ہوتے ہیں۔

محمد حنیف چروک' ڈانڈل

باتوں سے خوشبو آئے

☐ خون کی ندیاں بہانے کی بجائے ایک آنسو پونچھنے کی سعادت زیادہ ہے۔

☐ ہم جتنا اسلحہ اکٹھا کرچکے ہیں اگر ہم اتنے پھول اکٹھے کرتے تو پوری دنیا مہک جاتی۔

☐ جس کے ساتھ تم ہنستے ہو اس کو بھول سکتے ہو جس کے ساتھ تم روئے ہو اس کو نہیں بھلا سکتے۔

☐ قرآن کی تلاوت سے زیادہ اور کوئی افضل عبادت نہیں۔

☐ ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔

محمد اشرف حسن' بھکر

itsurdu.blogspot.com

ہے جنت کا ٹکڑا ہماری زمین

خالدہ امین جنجوعہ' جھنگ

ہے جنت کا ٹکڑا ہماری زمیں
یہ جھومر ہمارا ہم اس کے امیں
علم حاصل کرو اور سیکھو ہنر
بن کے فخرِ وطن جاؤ بھی تم جدھر
میری دھرتی چمن میری مٹی حسیں.....
ہے جنت کا ٹکڑا ہماری زمیں
یہ جھومر ہمارا ہم اس کے امیں

دل بھی تیرا جان بھی ہے نثار
تیرا دنیا میں رکھیں گے اونچا وقار
مہکائیں گے پھولوں سے یہ تیری جبیں.....
ہے جنت کا ٹکڑا ہماری زمیں
یہ جھومر ہمارا ہم اس کے امیں

میرا سوہنا وطن تا قیامت رہے
ماؤں بہنوں کا آنچل سلامت رہے
سارے جگ میں کوئی تجھ سا نہیں
ہے جنت کا ٹکڑا ہماری زمیں
یہ جھومر ہمارا ہم اس کے امیں

ناموس وطن ہے اپنا ایمان
بچہ بوڑھا جوان تجھ پر قربان
تم پکارو جہاں جان دیں گے وہیں
ہے جنت کا ٹکڑا ہماری زمیں
یہ جھومر ہمارا ہم اس کے امیں

مجھے شکایت ہے

خرم لودھی

○ مجھے شکایت ہے ان لوگوں سے جو محلے کی صفائی کا خیال نہیں کرتے اور پڑوسی کے گھر کے سامنے کچرا پھینک دیتے ہیں۔ جس سے پڑوسی کو پریشانی اور تکلیف ہوتی ہے۔

محمد شعیب خانزادہ' نورانی محلہ نصرپور

○ مجھے شکایت ہے امریکی فوج سے جنہوں نے عراقی عجائب گھر پر حملہ کیا۔ جس سے اس میں رکھا ہوا سب سے قیمتی نوادر نسخہ قرآن شہید ہوگیا۔ جسے حضرت علیؓ نے اپنے دست مبارک سے تحریر کیا تھا کیا امریکہ اس نقصان کی تلافی کر سکتا ہے؟ کیا یہ نسخہ واپس آسکتا ہے؟

عمر فاروق' شمالی بھکر

○ مجھے شکایت ہے ڈانڈل والوں سے جنہوں نے بی این ایم کو ووٹ نہیں دیا۔

صادق میر' ڈانڈل

○ مجھے شکایت ہے وقار یونس سے جنہوں نے عمران نذیر جیسے کھلاڑی کو ورلڈ کپ کھیلنے کا موقع نہیں دیا۔

سید داد شاہ بلوچ' ڈانڈل

○ مجھے شکایت ہے ان والدین سے جو اپنے بچوں کو برائی سے نہیں روکتے ہیں۔

عامر بن حاجی احمد' چاہ سری

○ مجھے شکایت ہے میونسپل کارپوریشن سے جو صفائی کا کام صحیح نہیں کرواتی۔ خاص کر تربت میں۔ صفائی ستھرائی کی حالت یہاں بہت خراب ہے۔

سید ارشاد مبارک' ڈانڈل

○ مجھے شکایت ہے راشد سے جو میرے خط کے جواب نہیں دیتا ہے۔

میر عبدالمجید دشتی

○ مجھے شکایت ہے ان لوگوں سے جو صبر نہیں کرتے ہیں۔

فرزانہ ناز' تربت

○ مجھے شکایت ہے' عوام سے جو خود اپنے لیے مسائل پیدا کرتی ہے۔

itsurdu.blogspot.com

حبیب الرحمان ' لیاری کراچی

○ مجھے شکایت ہے ان لوگوں سے جو آپس میں کسی بات پر متفق نہیں ہوتے۔

محمد مشتاق حسین قاذری کشمیری ' کراچی

○ مجھے شکایت ہے ان نوجوانوں سے جو پڑھنے پر توجہ نہیں دیتے۔

ایم ظریف وفا ' پسنی

○ مجھے شکایت ہے صفدر شاہین سے کہ جنہوں نے بغیر وجہ بتائے دوستی ختم کردی۔

محمد شفیق اللہ ' بکھربار

○ مجھے شکایت ہے اپنی کزنز افشین ' سحرش اور نوشین کرن سے جو آپی اور انا کے ساتھ ہمارے گھر نہیں آتیں۔

بہرام اکبر خان لاشاری ' بھکر

○ مجھے شکایت ہے ان گاڑی والوں سے جو مسافر اٹھا تو لیتے ہیں اتارتے نہیں ہیں۔

عبیر عالم شاہ ' جہانگیروی

○ مجھے شکایت ہے ان پڑوسیوں سے جو اپنا کچرا دوسروں کے دروازوں پر ڈال دیتے ہیں۔

جمیل بشیر احمد سانبھری ' حیدر آباد

○ مجھے شکایت ہے ان لیڈر صاحبان سے جو الیکشن کے وقت بڑے بڑے وعدے کرتے ہیں اور الیکشن کے بعد عوام کو اپنا چہرہ تک دیکھانا گوارہ نہیں کرتے مسائل حل کرنا تو دور کی باتیں ہیں۔

گل محمد گل ' پسنی

○ مجھے شکایت ہے کچھ موڑ کے لڑکوں سے جو ہر وقت آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔

شاہد علی ' اسلام آباد

✪ مجھے شکایت ہے اپنے دوست عاطف سے جو سبزیاں نہیں کھاتا ہے۔

عمر فاروق افتی

✪ مجھے شکایت ہے اپنے علاقے کے منتخب نمائندوں سے جو بے روزگاری اور دیگر مسائل کو حل کرنے کے لیے اقدامات نہیں کرتے ہیں جن کی وجہ سے ہمارا علاقہ دوچار ہے اور الیکشن کے وقت بڑے بڑے وعدے کرتے ہیں۔

گل محمد گل ' پسنی

✪ مجھے اپنے کلاس فیلوز سے شکایت ہے ' جو اسکول بدلنے کے بعد نہ تو مجھے سے ملنے آتے ہیں اور نہ ہی مجھے خط لکھتے ہیں۔

وسیم شبیر ' ظاہر پیر

✪ ہمیں شکایت ہے ان دکانداروں سے جو قرآنی آیات والے اخبارات پر اشیاء باندھ کر گاہکوں کو دیتے ہیں جو کہ وہ انہیں وقت ضرورت کے بعد کھلے عام سڑکوں اور گلیوں پر پھینک دیتے ہیں۔ جو کہ راہ چلتے لوگوں کے پاؤں کا نشانہ بنتے ہیں۔ خدارا قرآنی آیتوں کا احترام تو کریں۔

صادق سعید ' حما سعید ' سری شاپک

✪ مجھے شکایت ہے ان لوگوں سے جو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرسکتے ہیں۔

گلشن اقبال ' اسلام آباد

✪ اپنے دوست محب مہر ' محمد ایوب اور محمد یونس سے جو میرے کہنے کے باوجود چلم پیتے ہیں۔

نور جان نور بلوچ ' آسیا آباد تربت

✪ مجھے شکایت ہے خفیہ اداروں سے جو بلاوجہ لوگوں پر ظلم وستم کرتے ہیں۔ اللہ پاک انہیں ہدایت دیں۔

عباس علی مونی ' کراچی

✪ مجھے شکایت ہے اپنے دوست حافظ محمد ریاض سے کہ جس نے بنا کسی وجہ سے مجھ سے دوستی جیسا عظیم رشتہ توڑ لیا ہے دوستی کرنا تو آسان ہے لیکن کر کے نبھانا بہت مشکل ہے۔

راشد مقبول ' حاصل پور

✪ مجھے شکایت ہے اصغر سے کہ وہ ناراض بہت جلدی ہوجاتا ہے۔ عبداللہ ساول سے جو موٹا بہت ہے اور نماز کی پابندی نہیں کرتا ہے۔ انس خان ' ابوذر ' سے جو شرارتی ہیں۔

محمد ابوبکر ' پانڈو وال

✪ مجھے شکایت ہے ان دوستوں سے جو پڑھائی پر توجہ نہیں دیتے ہیں اور اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔

حبیب اللہ خان سعدی ' جھنگ

✪ مجھے شکایت ہے اپنے کزن زاہد سلمان شانی سے جو مجھے کبھی بھی برگر نہیں کھلاتا اور خود اکیلے ہی کھاتا رہتا ہے۔

صفدر اقبال شاہین ' بکھربار

itsurdu.blogspot.com

انوکھی کہانیاں
رائٹرز ایوارڈ

جون 2003ء کے شمارے میں شائع شدہ تحریروں میں درج کہانیاں پہلے، دوسرے اور تیسرے نمبر پر آئیں۔

صبح سے پہلے --- میر شاہد حسین

اس تحریر کو 1457 پڑھنے والوں نے پسند کیا اور اس طرح یہ تحریر پہلے نمبر پر آئی۔

آخری موقع ----- ارشاد حسین
حرف زر ------ عبدالسلام مگسی

بذریعہ قرعہ اندازی زیل ساتھیوں کو کتاب کا تحفہ بھیجا جارہا ہے۔

مصنفین کو انعامات و سرٹیفکیٹ ڈالرانڈ سٹریز کے تعاون سے روانہ کئے جائیں گے۔

☆۔ محمد فیروز، کراچی ☆۔ سہیل احمد، حیدر آباد ☆۔ محمد یاسین، لاہور

بچوں کا ترانہ

وسیم صادق شاہین، پسنی

وطن کی شان ہم سے ہے
وطن کی آن ہم سے ہے
وطن کے ہیں نگہبان ہم
وطن کی مان ہم سے ہے

رہینِ منّت ہیں ہم خدا کے
کہ یہ آزاد وطن بخشا ہے
وطن کے پاسبان ہیں ہم
وطن کی اُٹھان ہم سے ہے!

ملک کی خاطر جان دیں گے
اپنے وطن کی خدمت کریں گے
وطن کی آن بان ہیں ہم
وطن کی جان ہم سے ہے!!

وطن کی شان ہم سے ہے
وطن کی آن ہم سے ہے

itsurdu.blogspot.com

ذرا کان کا دھیان رکھیئے

الطاف حسین

سنیے کان کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

وہ جگہ جہاں سے کھود کر دھات یا جواہرات وغیرہ نکالے جاتے ہیں کان کہلاتی ہیں۔ یہ عمل کان کنی کہلاتا ہے۔ یہ عمل .... انجام دینے والے کان کن کہلاتے ہیں۔

غلط! بالکل غلط!!

ارے بھئی ہم اس کان کے بارے میں نہیں پوچھ رہے ہیں۔ یہاں کان سے ہماری مراد وہ کان ہیں جن کے بیچ میں سر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس طرح زبان بولنے، چکھنے کے لئے۔ ناک سونگھنے، سانس لینے کے لئے، آنکھیں دیکھنے کے لئے عطا کی ہیں۔ اسی طرح کان اچھی اچھی ہدایت و نصیحت کی باتیں سننے

کے لئے بخشے ہیں۔

یہ قدرتی آلہ سماعت اردو، گجراتی اور بنگلہ زبان میں کان کہلاتا ہے۔ عربی میں اسے شعر، فارسی میں گوش، سندھی اور پنجابی میں کن، بلوچی میں گوش اور پشتو میں غوڑ کہتے ہیں۔ جبکہ انگریزی نے کان کو (بالحاظ اردو تلفظ) "ایر" (Ear) کا سہ معنی نام دیا ہے۔

کان کو اگر گیٹ وے ٹو برین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے آواز کی لہریں سفر کرتی ہوئی دماغ تک جاتی ہیں اور دماغ کا ایک مخصوص نظام ان لہروں کو فوری طور پر لفظوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یوں سماعت کا احساس پیدا ہوتا ہے اور ہم جان لیتے ہیں کہ ہم کیا سن رہے ہیں؟

جیسا کہ ہم نے آپ کو پہلے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کان اس لئے عطا کئے ہیں کہ وہ اسے اچھی اچھی ہدایت و نصیحت کی باتیں سننے کے لئے استعمال کرے لیکن ان کو کس طرح استعمال کیا اور کرایا جاتا ہے یہ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان میں جہاں غیبت ذخیرہ کی جاتی ہے وہاں حسب توفیق جھوٹ بھی ان میں بھر دیا جاتا ہے لڑائی جھگڑے کے دوران بے نقط تفسیریں سننے کی کوفت بھی کانوں کو اٹھانا پڑتی ہے۔ سچ سننا گوارہ نہیں ہوتا لیکن جھوٹی شہادت سن کر فوراً "غلط فیصلہ سنا دیا جاتا ہے۔ لوگوں کے کانوں میں جھوٹے وعدوں کی دوا ٹپکا دی جاتی ہے۔ شکوک کا زہر بھرا جاتا ہے۔ جھوٹے دعوے سادہ لوح کانوں کو زور و شور سے سنائے جاتے ہیں۔ دماغوں تک اشتعال کی آگ ان کے ذریعے منتقل کی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے انسانی اعضاء کی طرح کان کی بھی وضع و شکل کے لحاظ سے کئی اقسام ہیں۔ مثلاً"

بڑے کان (ان کا مالک بڑکنا کہلاتا ہے)، چھوٹے اور موٹے کان، مڑے ہوئے کان، چھوٹے کان (ان کے مالک کو بچا بھی کہتے ہیں)، چمبوترا نما لمبے کان، ابھرے ہوئے کان۔ اونچے کان

اب کان سے متعلقہ محاورے بھی سن لیجئے کیونکہ کان بھی آنکھ کی طرح درجن بھر محاورے اپنے کھاتے میں رکھنے کے دعویدار ہیں۔ ان محاوروں میں کان پکڑنا، کان کھانا، کان بجنا، کان کاٹنا، کان بھرنا، کان کا کچا ہونا، کان پر جوں نہ رینگنا، کانوں کان خبر نہ ہونا، کانوں پر ہاتھ رکھنا، کسی بات پر کان نہ دھرنا، کانا پھوسی کرنا، دیواروں کے بھی کان ہونا شامل ہیں۔

itsurdu.blogspot.com

ان محاوروں میں ہمیں "کان پکڑنے" والا محاورہ سب سے اچھا لگتا ہے۔ (شاید اس لئے کہ ہم نے اسکول کے زمانے میں خوب کان پکڑے ہیں اور خود شرارتیں کر کے دوسروں کے کان پکڑوائے بھی ہیں) "کان پکڑنا" ایک مربع قسم کا محاورہ ہے۔ جس کا پہلا رخ اسکول میں نظر آتا ہے جب ماسٹر جی شیطانوں اور کام چوروں کو کان پکڑاتے ہیں۔ (اپنے نہیں)۔ دوسرا رخ گھر پر دکھائی دیتا ہے جب بڑے، چھوٹوں کے کان ذرا ذرا سی غلطی پر ان کے ہاتھ میں پکڑا دیتے ہیں۔ تیسرا رخ یہ کہ خطاکار خود ہی مشروط طور پر کان پکڑ کر اعتراف جرم کر لیتا ہے اور چوتھا اور آخری رخ عینک کی صورت میں منظر عام پر آتا ہے۔ جب عینک ضعف نظر والوں کی ناک پر بیٹھ کر ان کے کان پکڑتی ہے۔ سنیں اگر کان نہ ہوتے تو صاحب عینک لوگ کیا کرتے؟

عینک میں دھاگہ لگا کر سر کے گرد باندھ کر کام چلاتے! آپ کا جواب قدرے درست مان لیتے ہیں۔ لیکن صاحب اس طریقے میں وہ مزا کہاں جو عینک کے کان پکڑ کر رستہ دکھانے میں ہے!!

کچھ لوگ اپنے کام میں یا خیالوں میں اس درجے مگن ہوتے ہیں کہ انہیں کچھ سنائی ہی نہیں دیتا۔ کوئی لاکھ پکارتا رہے۔ ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بالآخر جب دوسرا "رینگ رینگ" چپ ہو جاتا ہے تو موصوف بڑی انکساری سے فرماتے ہیں۔

"آپ مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے؟"

ایسے لوگ تو پھر بھی قابل برداشت ہیں۔ ان کو کچھ دیر سے سہی یاد تو آجاتا ہے کہ کوئی ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن ہمارا معاشرہ ایسے لوگوں سے بھی اٹا پڑا ہے۔ جن کو کان ہوتے ہوئے بھی کچھ سنائی نہیں دیتا۔ حالانکہ یہ بہرے بھی نہیں ہوتے۔ اپنے مطلب کی بات کان لگا کر سنتے ہیں۔ لیکن دوسروں کا مسئلہ انہیں دکھائی اور سنائی ذرا کم ہی دیتا ہے۔ شاہراہوں پر سر شام چرخے اور مرغے اڑاتے ہیں۔ ایسے میں کوئی غریب ان کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے اپنے بھوکے بچوں کے لئے روٹی کا سوال کرے تو یہ فوراً "بہرے" کا روپ دھار لیتے ہیں اور اس کی فریاد سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ میں مرنے والوں کی حسرت ناک چیخیں کانوں سے ٹکراتی ہیں۔ زخمیوں کی دل ہلا دینے والی آہ و بکا سنائی دیتی ہے لیکن ان کے کانوں کی "دکان" بند ہی رہتی ہے۔

ان کے علاوہ کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو کانوں کے کچے ہوتے ہیں یہ آنکھوں دیکھی شہادت پر

ایمان نہیں لاتے لیکن کانوں سنی بات پر اس شخص کی طرح فوراً یقین کر لیتے ہیں۔ جسے کسی نے سوتے ہوئے جگا کر کہا تھا "بھئی تمہارا کان کتا لے گیا ہے!" اور اس نے بھی کان چیک کیے بغیر، بنا سوچے سمجھے سامنے جاتے ایک کتے کے پیچھے دوڑ لگا دی تھی۔ کافی دور تک جانے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ کان تو اس کے ساتھ موجود ہیں اور وہ خواہ مخواہ کتے کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔

آپ بلا خوف و خطر ان لوگوں کو بھی "ان" میں شمار کر دیجئے جو لیڈر قسم کی "چیز" کہلاتے ہیں۔ ریڈیو کم سنتے ہیں۔ (کیونکہ سنائی جو نہیں دیتا)۔ ڈش انٹینا زیادہ ملاحظہ کرتے ہیں۔ بیچارے میں "فوٹو سن" شیشے بند کر کے سفر کے مزے لیتے ہیں چلتے پھرتے "فوری رابطہ" ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لمبے سفر جہازوں میں کرتے ہیں۔ ملکی حالات و واقعات پر گہری نظر رکھنے کے دعویدار ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی دانست میں واقعات ہمیشہ "آل نارمل" اور حالات "کنٹرول" میں ہوتے ہیں۔ غریبوں کا واویلا، خواہ وہ کسی جائز مسئلہ پر ہی کیا جا رہا ہو۔ انہیں بالکل سنائی نہیں دیتا۔

جس طرح نابیناؤں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ ہماری دلی خواہش بلکہ مشورہ ہے کہ اقوام "متحدہ" اسی طرح "بہروں کا عالمی سال" منانے کی خوش آئند رسم کا اجراء بھی کر دیں تاکہ کان والوں کو نابیناؤں کے ساتھ ساتھ بہروں کے عالمی مسائل اور آبادی کا بھی خاطر خواہ اندازہ ہوتا رہے۔

کان کے بارے میں اس وقت ہمارے کانوں میں ایک لطیفہ گونج رہا ہے۔ اگر آپ کی قوت سماعت کی اجازت ہو تو گوش گزار کر دیں۔

"ایک لیڈر صاحب جن کا کان "ذرا" کٹا ہوا تھا۔ ایک جلسے میں زور و شور سے تقریر کر رہے تھے۔ دوران تقریر ایک جگہ انہوں نے جوش سے ڈائس پر مکے برساتے ہوئے کہا "حاضرین! میں اپنے ملک و قوم کے لئے زندہ تھا (کیا اب زندہ نہیں ہیں)، زندہ ہوں اور زندہ رہوں گا لیکن سن لیجئے اگر میرے ملک، میری قوم کو میری ضرورت پڑی تو میں ان کی خاطر اپنی جان بھی قربان کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔"

مجمع میں سے کسی شوخ نے ریمارکس پاس کئے "لیکن جناب اسلام میں تو کٹے "جانور" کی قربانی جائز نہیں"

itsurdu.blogspot.com

تمام مضمون پڑھ لینے کے بعد اگر آپ کے کان بجنے لگیں تو خدارا ہمارے خلاف کسی کے کان نہ بھریئے گا لیکن آپ کے تو کان ہی نہیں ہیں تو پھر بجیں گے کیسے؟ آپ کا کیا خیال ہے ہم اتنی دیر سے یوں ہی جھک مار رہے تھے۔ ارے صاحب ہم آپ کے کان کھا رہے تھے!

اپنے کان پکڑ کر دیکھئے تو سہی! ہیں بھی یا نہیں؟

کیا کہا! کان نہیں ہیں!

ہوں گے بھی کیسے وہ تو ہم نے باتوں ہی باتوں میں کاٹ لئے کچے جو تھے!

اب کان کٹ جانے کا واویلا نہ کیجئے۔

سنا ہے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں!!!

لسن

ایک آدمی کے پاس بہت سارے غلام تھے۔ ان میں صرف ایک نیک دل تھا۔ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ باغ میں جا کر میوہ چنیں۔ غلاموں کی نیت میں فتور آگیا۔ وہ سارا میوہ ہڑپ کر گئے اور الزام نیک دل غلام پر لگا دیا۔ مالک نے جب پوچھا۔ تو اس نے کہا۔ آپ لسن کا پانی ابلوائیں اور ہم سب کو پلا دیں اور پھر دوڑنے کا حکم دیں۔ سچ اور جھوٹ خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔

چنانچہ مالک نے ایسا ہی کیا۔ لسن کا گرم پانی پی کر بھاگنے سے سب کو الٹیاں آئیں اور میوہ حلق سے باہر آگیا۔ سوائے نیک غلام کے۔ مالک نے سوچا جسے وہ آج تک غلام سمجھتا رہا ہے۔ وہ تو حکومت اور دانائی کا بادشاہ ہے۔

سو ساتھیو! یہ مت بھولو اگر دنیا میں مفت کا مال موجود ہے تو لسن بھی موجود ہے کیا معلوم کسے؟ کب؟ یہ لسن کھانا پڑے.....

عبدالرزاق، کوئٹہ

نتیجہ ڈالر کوئز۔ جون 2003ء

جواب:۔ مامون الرشید کا اصل نام عبداللہ تھا۔

انعام یافتگان☆۔ چوہدری محمد افضل، کراچی ☆۔ عبدالجبار سورتی، حیدر آباد ☆۔ سید زین العابدین، لاہور۔

لطیفے

اردو کے استاد بچوں کو جماعت میں اردو کے قواعد سمجھا رہے تھے جب وہ خاصا سمجھا چکے تو انہوں نے جماعت کے ایک شاگرد سے سوال کیا۔ میں نہاتا ہوں، تم نہاتے ہو، وہ نہاتا ہے، ہم نہاتے ہیں۔ بتاؤ اس میں کون سا زمانہ استعمال ہوا ہے؟

شاگرد نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا "سر! عید کا دن"

محمد شعیب خانزادہ، نورانی محلہ، نصرپور

ایک وکیل صاحب نے اپنے پہلے مقدمہ میں کامیابی حاصل کر کے گھر لوٹتے وقت اس یادگار دن کی نشانی کے لیے اپنی ایک فوٹو بھی کھنچوا کر لائے اور گھر آکر اپنی بیوی سے اپنی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے تصویر دکھا کر کہا "کیسا پوز ہے؟"

(تصویر میں وکیل صاحب بہت ہی اسٹائل سے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے) بیگم نے کہا "ٹھیک ہے لیکن آپ کے پیشہ کی مناسبت سے نہیں ہے کیونکہ آپ کے ہاتھ کو تو دوسروں کی جیب میں ہونا چاہیے۔"

نورین سلیم، کراچی

محکمہ ڈاک کا ملازم جب ریٹائر ہوا تو الوداعی تقریب کے اختتام پر اس کے ماتحت نے پوچھا "یہ بتایئے کہ ہمارے ساتھ رہ کر کیا ذاتی تجربہ حاصل کیا؟"

"تجربہ تو بہت حاصل ہوا ہے۔" ملازم نے کہا۔ "مگر آپ سے گزارش ہے کہ میری پنشن کی رقم بذریعہ ڈاک مت بھجوایئے گا۔"

تسمیہ یونس، کراچی

جج (ملزم سے) "تم نے اس کا ہاتھ کیوں جلا دیا؟"

ملزم "جناب! میں تو اس سے نوکری مانگنے گیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میری مٹھی گرم کردو، چنانچہ میں نے اس کے ہاتھ پر جلتا ہوا سگریٹ رکھ دیا۔"

زیشا خالد، واہ کینٹ

itsurdu.blogspot.com

اعلیٰ پاکستانی افسر ہالی وڈ کی فلم دیکھ کر اپنی جرمن کار میں گھر آیا۔ چین کے برتنوں میں کھانا منگوایا' اسپین کا زیتون چکھا' امریکہ کے فریج سے پھل نکال کر کھائے۔ سوئیٹزرلینڈ کی گھڑی میں وقت دیکھا' ہالینڈ کا ٹی وی سیٹ بند کرایا' فرانسیسی جوتے اتار کر سویڈن کا کاغذ منگوایا۔ برطانیہ کا ٹیبل لیمپ آن کیا اور جاپانی قلم سے اپنی تقریر کے نوٹس لینا شروع کیے۔ تقریر کا موضوع تھا۔ "پاکستانی بنیں پاکستانی چیزیں خریدیں۔"

شایان یونس' کراچی

ننھا "چچا جان! آپ اپنی آنکھیں بند کرلیں۔"

چچا (حیرت سے) "کیوں بھئی کیا بات ہے؟"

ننھا "امی جان کہتی ہیں جب تمہارے چچا جان آنکھیں بند کرجائیں گے تو تمہیں بہت سی دولت ملے گی؟"

سہیل احمد خان

ایک اداکار اپنے دوستوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔

"کل رات اسٹیج پر میری اداکاری دیکھ کر لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔"

"ناممکن!؟"

"اتنے سارے لوگ ایک ہی وقت میں جمائی نہیں لے سکتے۔" ایک دوست نے کہا۔

محمد سلمان تنویر' واہ کینٹ

ایک آدمی مسجد سے گھنٹہ چوری کررہا تھا کہ اچانک اس کے پیچھے قدموں کی آہٹ ہوئی۔ وہ مڑا تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی جوتوں سمیت مسجد میں چلا آرہا ہے یہ دیکھ کر چور صاحب ان سے مخاطب ہوکر بولے "اگر میں مصروف نہ ہوتا تو میں تجھے مسجد کی بے حرمتی کا مزہ چکھا دیتا۔"

محمد حسان خالد' واہ کینٹ

نویدِ آزادی

قاضی راشد محمود' کوٹ سلطان

راستے کی سختیاں ہنس کے بھلاتے چلو
راہِ شہادت میں قدم اپنے بڑھاتے چلو
شمشیر لیے ہاتھ میں باطل مٹاتے چلو
آزادی بھی قریب ہے نوید سناتے چلو!

رکنے نہ پائیں اب بڑھتے ہوئے قدم
جھکنے نہ پائے حق کا یہ علم
ظلمتِ شب میں لہو کے چراغ جلاتے چلو
آزادی بھی قریب ہے نوید سناتے چلو!

عزم ہے بلند اپنے جذبے ہیں طوفاں
اللہ پہ بھروسہ رکھتا ہے یہ کارواں
گاؤ ماتا کے پجاری کو سبق سکھاتے چلو
آزادی بھی قریب ہے نوید سناتے چلو!

ہم سے جو ٹکرائے گا پھر سنبھل نہ پائے گا
سات پشتوں تک وہ ہمیں یاد کرتا جائے گا
ہم ہیں مسلمان سب کو یہ بتاتے چلو
آزادی بھی قریب ہے نوید سناتے چلو!

itsurdu.blogspot.com

محمد زبیر امین، ملتان

بوڑھا مزدور

بوڑھے "صابر" نے ایک مرتبہ پھر اٹھ کر سڑک کی جانب دور دور تک کچھ دیکھنے کی کوشش کی مگر مایوس ہو کر دوبارہ زمین پر "آلتی پالتی" ہو کر بیٹھ گیا۔ یار "صابر" ٹھیکیدار صاحب نے کتنی دیر کردی ہے۔ "سومرو" جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہاں بھائی سومرو..... پتا نہیں کیوں ہم غریبوں کے پاس ضرورتیں تو بھاگی چلی آتی ہیں مگر وسائل ..... "جعفر" نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ان تینوں کے ساتھ بیٹھے "منشی جی" بھی ٹھیکیدار صاحب کا انتظار کر رہے تھے۔۔ اچانک کچھ دیر بعد "بوڑھے صابر" کو ایک کار نظر آئی۔ جسے دیکھتے ہی بے اختیار خوشی سے "صابر" چلایا۔ "دیکھو ٹھیکیدار صاحب کی کار آرہی ہے۔" وہ تینوں بے اختیار کھڑے ہوگئے۔ انہیں خوش دیکھ کر منشی جی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بھی کھڑے ہوگئے۔ کچھ دیر پہلے تک کی مایوسی اب ریت کی کچی دیوار کی طرح گر چکی تھی۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔

جلد ہی ٹھیکیدار صاحب کی گاڑی ان کے قریب آکر رکی۔ "منشی جی" نے تیزی سے آگے

بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا۔ سلام صاحب... ان تینوں کے ساتھ "منشی جی" نے بھی سلام کیا۔ ٹھیکیدار صاحب نے سر ہلا کر جواب دیا اور آگے بڑھ کر "منشی جی" کی کرسی پر بیٹھ گئے اور تعمیر شدہ کام کا جائزہ لینے لگے۔ ڈرائیور گاڑی کی پچھلی سیٹ سے ایک بریف کیس اٹھا لایا۔ "منشی جی" نے آگے بڑھ کر ٹھیکیدار صاحب کو اس کام کی ایک فائل پیش کی۔ ٹھیکیدار صاحب نے فائل کھولتے ہوئے "منشی جی" سے پوچھا۔

"منشی جی..... میں نے جو بندے کام سے نکالنے کو کہے تھے نکال دیئے ہیں کہ نہیں۔" منشی ادب سے بولا "جی سائیں .... وہ لاغر اور کمزور بندے میں نے نکال دیئے ہیں۔ وہ کام چور تھے۔ ٹھیکیدار صاحب نے یہ سن کر "بوڑھے صابر" کی طرف گھورتے ہوئے منشی سے پوچھا۔ "یہ بوڑھا بھی کمزور ہوگیا ہے۔ اسے بھی نکال دو۔ یہ سنتے ہی "بوڑھے صابر" کا چہرہ زردہ پڑ گیا۔ اس کے بوڑھے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ منشی فوراً بولا "یہ .... سائیں بڑا ایماندار اور محنتی ہے اور کافی عرصے سے کام بھی کر رہا ہے۔ سائیں اگر اسے نکالا گیا تو وہ مستری موسی خان کہتا ہے کہ وہ بھی کام کرنے چھوڑ دے گا۔"

ٹھیکیدار صاحب یہ سنتے ہی غصے میں بولے "میرے پاس کوئی دیوار چین کا ٹھیکہ نہیں ہے کہ ایسے کمزور لوگوں کی لاشوں کو جمع کرتا پھروں اور اپنا نقصان پورا کروں۔ اگر موسیٰ خان کو اس کمزور بوڑھے سے اتنی ہمدردی ہے تو اسے اپنے گھر میں بٹھا کر کھلائے۔ ہمیں ایسے لاغر اور کمزور بوڑھوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھیکیدار صاحب کی بات سن کر منشی بولا "ٹھیک ہے سائیں ..... میں .... ابھی منشی کا یہ جملہ پورا نہ ہوا تھا کہ عین اسی وقت قریبی جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں چار نقاب پوش "خبردار" کہتے ہوئے نمودار ہوئے۔ انہیں دیکھ کر ٹھیکیدار صاحب کا رنگ بھی "بوڑھے صابر" کی طرح زرد پڑ گیا۔

خبردار..... اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔ اور اس کے ساتھ ہی سب کے ہاتھ بے اختیار اوپر کو اٹھ گئے۔

ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر ڈرائیور کی کنپٹی پر پستول رکھا اور نوٹوں سے بھرا ہوا "بریف کیس" چھین لیا۔ فوراً منشی بولا "دیکھو اس میں مزدوروں کی محنت کا صلہ ہے۔ ایک نقاب پوش تمسخرانہ لہجے میں بولا "نہیں اب یہ ہماری محنت کا صلہ ہے۔ تم وقت ضائع مت کرو اور چلو خیمے کی اندر..... مجبوراً" وہ سب خیمے کی طرف چل دیئے۔ ٹھیکیدار ان سب سے آگے تھا

itsurdu.blogspot.com

۔ ان سب کے چہروں پر مایوسی نمایاں تھی ۔ خاص طور پر "صابر" سومرو اور جعفر کے چہرے اترے ہوئے تھے ۔ ان کے ذہنوں پر ایک ہی سوال تھا کہ ان کی ضرورتیں کیسے پوری ہوں گی ۔

ابھی ٹھیکیدار خیمے میں داخل ہونے ہی والا تھا ۔ کہ ایک فائر کی آواز گونجی ۔ سب نے بے اختیار مڑ کر دیکھا تو دنگ رہ گئے ۔ "بوڑھا صابر" ایک نقاب پوش کے ساتھ بری طرح الجھا ہوا تھا ۔ ایک نقاب پوش نے اس پر فائر کیا تھا مگر فائر کرنے سے چند لمحے پہلے وہ دونوں نیچے گر چکے تھے ۔ اب نقاب پوش نئی الجھن میں پڑ گئے تھے ۔ کیونکہ ان کا ساتھی اور صابر ایک دوسرے سے اس طرح الجھے ہوئے تھے کہ اگر وہ گولی چلاتے تو انکے ساتھی کو بھی لگ سکتی تھی ۔ لیکن ایک نقاب پوش نے صابر کو مارنے کی خاطر بالکل درست نشانہ لیا مگر عین اسی وقت سومرو نے اس پر چھلانگ لگا دی ۔ پھر جعفر اور منشی جی بھی اس جنگ میں شریک ہوگئے ۔ دوسرا فائر بھی خالی گیا ۔ ادھر "بوڑھا صابر" اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح نقاب پوش سے ریوالور چھین لیے ۔ اسی کوشش میں ریوالور کا رخ اس کی طرف ہوا نقاب پوش نے ٹریگر دبا دیا ۔ اس کے ساتھ ہی ایک دھماکہ ہوا ۔ اور "بوڑھے صابر" کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے سینے میں کسی نے انگارے بھر دیئے ہوں ۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا ۔ مگر اچانک نوٹوں سے بھرے ہوئے بریف کیس اور ساتھیوں کے اترے ہوئے چہروں کا خیال آتے ہی وہ صابر دوبارہ ایک نئے جذبے سے نقاب پوش سے الجھ پڑا ۔ فائر اور چیخوں کی آواز سن کر کچھ دوسرے مزدور بھی آچکے تھے اور نقاب پوشوں کو قابو کر رہے تھے ۔ یہ ہنگامہ جاری تھا کہ اچانک ٹھیکیدار بوڑھے کمزور صابر کا خیال آیا ۔ وہ لوگوں کی بھیڑ سے نکل کر صابر کے پاس گیا ۔ وہ زمین پر پڑا تھا ۔ اس کے سینے سے خون بہہ رہا تھا ۔ بوڑھے صابر نے مڑ کر دیکھا تو ٹھیکیدار صاحب اس کے قریب بیٹھے تھے ۔ انہیں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی ۔ ٹھیکیدار صاحب نے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ ان کی زبان سے ادا نہیں ہو رہے تھے ۔" ٹھیکیدار صاحب .....م.....م.....میں .....واقعی بوڑھا.....ہو.....چ.....چ...چکا ہوں ۔ اتنا کہ .....مزدوری کے قابل ...بھی نہیں .....ک.....ک...کاش ...یہ خیال ...م...م مجھے پہلے آجاتا ۔ بوڑھے صابر نے اٹکتے ہوئے بمشکل کہا ۔ نہیں ...صابر... تمہارا جسم ضرور بوڑھا اور کمزور ہوچکا ہے مگر روح اور جذبہ نہیں ۔ مجھے معاف کردینا ۔ ٹھیکیدار صاحب بری طرح کانپ رہے تھے اور بوڑھا صابر ابدی نیند سوگیا تھا ۔ اس کے جسم سے دیر تک خون بہہ.....بہہ کر مٹی میں جذب ہوتا گیا ۔

غور طلب

سائرہ محبوب

رسم ورواج ہر ملک کی طرح ہماری ثقافت کا بھی ایک اہم حصہ ہیں ۔ یہی رسمیں ملک کی شان اور پہچان ہیں ۔ ہمارے ملک کی ان رسموں میں سے ایک رسم شادی کی ہے ۔ جس پر بدقسمتی سے کبھی مناسب روشنی نہیں ڈالی جاسکی ۔ شاید اس کی وجہ ملک میں لوڈ شیڈنگ کی زیادتی ہے ۔ اسی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے ان رسموں کی وضاحت کی ہے ۔ جس مشہور رسم کو شادی کہتے ہیں ۔ یہ دراصل ایک ایسا موقع ہے ۔ جس میں لوگوں کے غیر معمولی رویئے سامنے آتے ہیں ۔ ہر طرف میلے کا سماں ہوتا ہے ۔ اس میلے میں سب سے نمایاں چیز "دلہن" ہوتی ہے ۔ جس سے شرف ملاقات حاصل کرنے کے لیے سلامی کا ہونا لازمی ہے ۔ دلہن سے مراد وہ خاتون ہے ۔ جس کے پاس اگرچہ لاکر نہیں ہوتا ۔ پھر بھی قیمتی کپڑے اور زیورات کچھ دیر کے لیے اس کی تحویل میں دے دیے جاتے ہیں ۔ اس کے بعد ان کپڑوں کی مزید حفاظت کے لیے غیر سرکاری کپڑوں میں ملبوس حفاظتی گارڈ اس کے ساتھ رہتی ہیں ۔ ان پہرہ دار خواتین نے بہت مہارت سے اپنا بھیس بدلا ہوتا ہے ۔ عام طور پر یہ چمکیلے کپڑوں میں ملبوس ہوتی ہیں اور اپنے چہرے کو چھپانے کے لیے سفید سیمنٹ کی ایک موٹی تہہ منہ پر چڑھا لیتی ہیں ۔ جس طرح فرش پر سفید سیمنٹ کی تہہ لگانے کے بعد تھوڑی سی رگڑائی سے فرش چمک اٹھتا ہے ۔ اسی طرح تھوڑی سی توجہ کے بعد ان پہرہ داروں کا چہرہ بھی چمک جاتا ہے ۔

یوں جب ان پہرہ دار خواتین کی موجودگی میں دلہن میدان میں آتی ہے ۔ تو ہر طرف شور مچتا ہے ۔ خواتین قیمتی لباس اور زیورات کو قریب سے دیکھنے اور بعض زیادہ متجسس خواتین اسے چھونے کی حسرت میں دلہن کی طرف کھچی چلی آتی ہیں ۔ لیکن دلہن ان کی طرف کوئی

itsurdu.blogspot.com

خاص توجہ نہیں دیتی۔ اس کے پیچھے مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ کہیں کوئی عورت ان زیورات کو چرا نہ لے۔ اسی لیے وہ بے چاری اپنی ساری توجہ اپنی انگوٹھیوں پر مرکوز رکھتی ہے۔ اور ہر بار خواتین سے ہاتھ ملانے کے بعد ان کو گنتی ہے۔ آخر اس پر اتنے بیش قیمت سامان کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جو شادی کے فوراً بعد اس سے واپس لے کر ساس کو سونپ دیا جاتا ہے۔ پھر بھی نہ جانے کیوں خواتین حسد کی آگ میں جلنے لگتی ہیں۔ ان کی اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے بوتلوں کا مناسب انتظام ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بھوک سے بلکتے بچے بھی محفل کا حصہ ہیں۔ جو میک اپ کی تہہ میں دبی ماں کو بھی پہچاننے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ان بچوں کی بھوک مٹانے کے لیے پاپڑ بیچنے والوں کی کمی نہیں ہوتی۔ جن کو دیکھ کر نہ صرف بچوں بلکہ ان کی ماؤں کی بھی سانس میں سانس آتی ہے اور وہ بھی کیمرے کی آنکھ سے بچ کر پاپڑ کے مزے لیتی ہیں۔

پھر جلد ہی بھوکے بچوں کی آہیں اپنا رنگ لاتی ہیں اور ایٹمی دھماکوں کی آوازوں میں ہاروں سے لدی ایک شخصیت میدان میں آتی ہے۔ اس شخصیت کے چہرے سے مظلومیت عیاں ہوتی ہے۔ جو ہاروں سے چھپائے نہیں چھپتی اور مظلومیت بھی ایسی کہ دیکھنے والے کا دل بھر آئے۔ اور وہ فوراً مالی مدد کے لیے دوڑا چلا آئے۔ اس شخصیت کو "دولہا" کہتے ہیں۔

اتفاق کی بات ہے کہ دولہا کی مالی مدد کو بھی "سلامی" ہی کہا جاتا ہے۔ ہر کوئی حسب توفیق اس کارِ خیر میں حصہ ڈالتا ہے۔

اور اس نیکی کے بدلے ان کے بھوکے بچوں اور ان کی ماؤں کو کھانا ملتا ہے۔ کھانے کا اعلان ہوتے ہی صدیوں کے بھوکے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور جب گوشت کی دشوں کا فائر بریگیڈ پیٹ کی آگ بجھا دیتا ہے تو زندگی میں سکون آجاتا ہے۔

پھر جب ارد گرد کی دنیا کا ہوش آتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ میلہ ختم ہونے کو ہے۔ اس لیے سب اپنے اپنے گھر کی راہ لیتے ہیں اور شادی کرنے والوں کو ایک ایسی خادمہ میسر آجاتی ہے۔ جو تمام عمر بغیر تنخواہ کے کام کرتی ہے۔ اور اسے انسانیت کے ناطے دو وقت کی روٹی بھی دی جاتی ہے۔ یوں اصولاً کہانی ختم اور پیسہ ہضم ہوجانا چاہیے۔

لیکن کہانی یہیں ختم نہیں ہوجاتی اور پیسہ یوں ہی ہضم نہیں ہوجاتا۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ جہاں خوشی ہوتی ہے وہاں غم بھی ہوتا ہے۔

اس لیے ایک رسم مرنے کی بھی ہے۔ یہ بھی ایک رسم ہے۔ شروع شروع میں اس رسم کو وہ مقام حاصل نہ تھا۔ جو آج کل ہے اس کی وجہ ہماری معاشرتی ترقی ہے۔ ہم نے بھی تمام ترقی یافتہ قوموں کی طرح جینے اور مرنے کے آداب سیکھ لیے ہیں۔ مرنے کے آداب جاننے سے ہی ہم اپنی ثقافت کی ترقی میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اس کے آداب کا علم لوگوں کے لیے درج ذیل ہے۔

مرنے کے لیے مرنے والے شخص کا مال دار ہونا بہت ضروری ہے۔ بصورت دیگر مذکورہ شخص مرنے کے بعد بھی باعث زحمت ہی ہوتا ہے۔ مال دار ہونے کی صورت میں آداب کا تقاضا یہ ہے کہ قیمتی مگر سادہ لباس میں ملبوس ہوکر مرنے والے کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لے جائیے۔

خواتین کے لیے خاص ہدایت یہ ہے کہ وہ جانے سے پہلے زیورات کی تعداد پوری کرنا نہ بھولیں۔ اور میک اپ کے بارے میں ہدایت دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس معاملے میں خواتین خود بہت سمجھدار ہیں۔

تمام تیاری مکمل ہونے کے بعد جب آپ اس گھر میں قدم رکھیں۔ تو رونے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں مدد کے لیے اپنے سفر کے دوران آدھ کلو پیاز کاٹیں۔ یہ ٹوٹکہ کافی کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو رونی صورت بنانا لازمی ہے۔

یہ ہمارے رسم ورواج کا لازمی حصہ ہے۔ مرنے والے شخص کے اللہ کے حوالے ہونے تک اس زحمت کو برداشت کیجیے۔ جیسے ہی یہ فریضہ ادا ہوجائے۔ تمام پابندیوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد فوری طور پر دعوت کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس دعوت میں کھانا کھانے کا سلیقہ یہ ہے کہ مرنے والے کے گھر والوں سے نظر بچا کر خوب پیٹ بھر کر کھائیے۔ خدا جانے ایسی دعوت پھر نصیب ہو نہ ہو۔ دعوت کے دوران حسب توفیق تعزیتی جملے ادا کرنا نہ بھولیے۔ اس سے میزبان پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ جاتے وقت ایک بار پھر رونی صورت بنائیے۔ اور اپنے گھر کی راہ لیں۔

اس رسم کو ادا کرنے میں چند احتیاطیں بہت ضروری ہیں۔ مثلاً دعوت میں کھانے کی تھوڑی بہت زیادتی کی وجہ سے ہاضمہ کے خراب ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ اس لیے کوشش کیجیے کہ اپنے گھر کی راہ لیتے ہوئے وہ راستہ اختیار کریں۔ جس میں ڈاکٹر کا کلینک بھی موجود

itsurdu.blogspot.com

ہو۔ یوں آپ پیٹ کی خرابی سے بچ جائیں گے۔

دوسری اور آخری احتیاط یہ ہے کہ مرنے والے کے گھر سے نکلتے ہی موت کا خیال اور اپنے کیے کا پچھتاوا دل سے نکال دیجئے۔ کیونکہ آپ کے مرنے کے بعد اللہ کے حضور جو آپ کے ساتھ ہوگا۔ اس کی خبر دوسروں کو نہیں ہوگی۔ لہٰذا آپ دوسروں کے سامنے شرمندگی سے بچ جائیں گے۔

البتہ آپ کی اپنے ہی جیسے ساتھیوں سے جہنم میں ملاقات ضرور ہوگی۔ تاہم وہاں کے رسم ورواج معلوم کرنے کے سلسلے میں کوششیں جاری ہیں۔

نتیجہ سطریں تلاش کیجئے۔ جون 2003ء

صحیح جواب بھیجنے والے بنت امید سدرہ منان بٹ' کراچی۔ محمد یوسف بھٹو' ڈرو۔ چوہدری محمد جہانگیر طاہر' بکھربار۔ محمد نذیر' شاہ پور صدر۔ محمد جاوید ناز' حاصل پور۔ محمد ہارون' واہ کینٹ' توقیر اقبال وکی' شورکوٹ۔ قیصر عباس طاہر' جھنگ۔ حبیب اللہ خان سعدی' جھنگ۔ محمد ابوبکر' منڈی بہاؤالدین۔ عثمان حیدر فاروقی' جھنگ۔ محمد اشرف حسن' بھکر۔

انعام یافتگان☆۔ محمد ہارون واہ کینٹ ☆۔ محمد اشرف حسن' بھکر☆۔ حبیب اللہ خان سعدی۔

نتیجہ بلوبینڈ کوئز جون 2003ء

جواب:۔ حضرت عمر کے عہد میں پہلی جنگ یرموک لڑی گئی۔

انعام یافتگان☆۔ چوہدری محمد جہانگیر' بکھربار ☆۔ چوہدری توقیر طاہر' بکھربار۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

عزم' قاتل کی تلاش (صفدر اقبال شاہین) - سات سوال (فریال اکبر لاشاری) - کھوئی ہوئی دنیا (نوید انجم' ضلع دیر) - صراط مستقیم (محمد محسن شہزاد) - محبت کی پیاس (صفدر اقبال شاہین) - دوستی کا فرض (دلشاد سنبل) - جو مسخ ہوگئے (فریال اکبر لاشاری) - آزاد مملکت (نذیر احمد چاند)۔ علم بڑی دولت (عبدالحکیم طالبگار)۔ راز کی بات (مامر حاجی احمد) - احساس (اجیت کمار راجہ)' نظم (مامر احمد)

قلمی دوستی

نام: حبیب اللہ خان سعدی - عمر: سال - پتہ: بستی فوجیانوالی ڈاک خانہ لشاری' تحصیل وضلع جھنگ۔

نام: محمد یوسف بھٹو۔ عمر: ۲۰ سال - پتہ: بھٹہ محلہ وارڈ نمبر۱۔ ڈاک خانہ وڈو ضلع ٹھٹھہ سندھ۔

نام: راشد مقبول - عمر: سال - پتہ: مکان نمبر285 وارڈ نمبر۱۲ گلی نمبر۱ ریلوے روڈ۔ حاصل پور۔

نام: محمد ہارون۔ عمر: ۲۳ سال پتہ: POFS' I-F-24 واہ کینٹ

نام: منیر احمد شہزاد۔ عمر: ۱۹ سال۔ پتہ: عمر کتاب گھر' نزد بی ایم سی۔ بروری روڈ' کوئٹہ۔

نام: عرفان دانش۔ عمر: ۱۷ سال۔ پتہ: معرفت نیو دانش لائبریری اولڈ حاصل پور ضلع بہاول پور۔

نام: قیصر عباس طاہر۔ عمر: ۱۷ سال۔ پتہ: کھوہ نائیاں والا موضع درگاہی شاہ' ڈاک خانہ پہاڑ پور' تحصیل وضلع جھنگ۔

نام: عبدالماجد دشتی۔ مشغلہ: کرکٹ کھیلنا پتہ: گورنمنٹ بوائز ماڈل ہائی اسکول تربت مکران۔

نام: محمد آصف قادری۔ عمر: ۲۴ سال۔ تعلیم: ایم اے اسلامیات۔ مشاغل۔ قلمی دوستی' مطالعہ' نعت خوانی۔ پتہ: POF19-E/116 واہ کینٹ۔

نام: نواز علی بختیار عمر: ۱۲ سال تعلیم: تیسری جماعت مشاغل: قلمی دوستی

پتہ:۔ تعمیر ملت پبلک ہائی سکول آسپر تربت

نام: گلاب اختر طور عمر: ۱۷ سال تعلیم: میٹرک مشاغل: اچھے اچھے رسالے پڑھنا۔

پتہ: چک نمبر۱۶۵ مراد تحصیل حاصل پور' ضلع بہاول پور ڈاک خانہ خاص۔

نام: اے این چاند عمر: ۲۲ سال تعلیم: میٹرک مشاغل: خوبصورت چیزوں سے پیار کرنا۔

پتہ: غریب یان ہاؤس' مین روڈ پسنی' بلوچستان

نام: نادل علی ارمان عمر: ۲۸ سال تعلیم: ایف ایس سی مشاغل: اچھے دوستوں کی تلاش۔

پتہ: پوسٹ آفس پسنی پوسٹ کوڈ نمبر ۹۱۳۰۰

itsurdu.blogspot.com

میرے پسندیدہ اشعار.....

کرن محبوب

ان چڑیوں سے کہہ دو کہ شاخ نشیمن سے نہ اتریں
اس شہر میں ہر شخص عقابوں کی طرح رہتا ہے
محمد ابوبکر، پانڈووال

جن کو منزل نہ ملی ان کا ٹھکانا مت پوچھ
بیٹھ ہی جاتے ہیں کہیں درد کے ماروں کی طرح
عباس علی مونی، کراچی

فقط اپنے تعارف کے لیے اتنا ہی کافی ہے
کہ ہم چھوڑ دیتے ہیں وہ رستہ جو عام ہوجائے
مہر عمر فاروق افتی، بھاگٹ بھاگٹانوالہ

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا
مخدومہ مہرین قریشی ہاشمی مئو مبارک

وہ لوگ جنہوں نے جاں دے کر پھولوں کو رنگت بخشی ہے
دو چار سے دنیا واقف ہے گمنام نہ جانے کتنے ہیں
ملک بہادر خان، بھکر

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گزر جائے سر پر
پڑے غم کا سر یہ نہ اس بے اثر پر
بنت امید سدرہ منان بٹ، گلشن اقبال کراچی

خواب ٹکرا کر پلٹ جاتے ہیں بند آنکھوں سے
جانے کس جرم کی کس کو ہے سزا، شام کے بعد
رضیہ خانم، سیالکوٹ

بڑھا سکو تو بڑھاؤ وقار انسان
جو ہو سکے تو شکستہ دلوں سے پیار کرو

محمد ادیس کامل

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری باد سحر میں
ماریہ چشتی جٹ، سمندری

نفرتوں کی آگ میں یہ بستیاں جل جائیں گی
آدمی پر آدمیت کا گماں رہ جائے گا
عرفان دانش، اولڈ عاصل پور

ہم بھی ہیں کیا عجب کہ کڑی دھوپ کے تلے
صحرا خرید لائے ہیں برسات بیچ کر
منیر احمد شہزاد، ونجھ

تو کبھی وقت کے صحرا میں میرے ساتھ تو چل
پھول بن کر تیری راہوں میں بکھر جاؤں گا
حبیب اللہ خان سعدی، جھنگ

ساری بات تعلق کی ہے جذبوں کی سچائی تک
میل دلوں میں آجائے تو گھر ویراں ہوجاتے ہیں
عثمان حیدر فاروقی، جھنگ

جو کھلونوں سے نہیں شمس و قمر سے کھیلے
جن پہ سایہ کیا کرتے تھے جبریل
گود میں لے کر گزرتی تھی حلیمہ جس سمت
خار اس راہ کے خوشبوئیں دیا کرتے تھے

گل محمد گل، پسنی

ایثار کے دعوے داروں کو یہ راز حقیقت سمجھا دو
پروانے کے جلنے سے پہلے ڈھو شمع کو جلنا پڑتا ہے
صبا ارشد شیخ، بلدیہ ٹاؤن کراچی

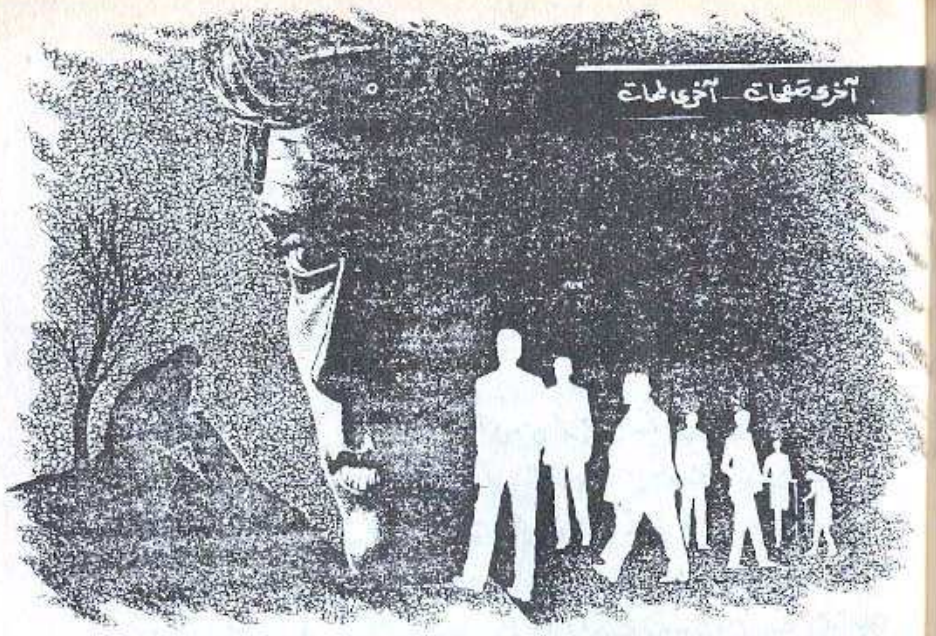

تلاش

محمد عارف انیس

آج میں بہت بیزار تھا اور اس بیزاری کی بھی ایک نہیں کئی وجوہات تھیں۔ میں اپنی مشینی زندگی سے ناخوش تھا۔ وقت پر سوجاؤ وقت پر اٹھ جاؤ اور پھر خاک، دھواں، دھول پھانکتے ہوئے دفتر چلے جاؤ۔ اپنے ماتحتوں کی مصنوعی مسکراہٹوں کے جواب میں اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کمرے میں جا کر فائلوں کے ڈھیر میں گم ہوجاؤ اور پھر شام کو دوبارہ گرد پھانکتے ہوئے گھر کا رخ کرو۔ صبح پھر وہی میں اور وہی جھمیلے۔ کبھی کبھی تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے میں ایک گوشت پوست کا بنا ہوا روبوٹ ہوں جس کا کنٹرول کسی ان دیکھی طاقت کے ہاتھ میں ہو۔ میری اپنی کوئی مرضی نہ ہو۔ سچ پوچھئے تو میں اس مشینی زندگی سے بری طرح اکتا چکا تھا۔

میں نے ایک لحظہ کے لیے فائلوں کے انبار پر نظر دوڑائی اور پھر ایک طویل سانس لی۔ باہر

itsurdu.blogspot.com

'اف ٹریفک کا کان پھاڑ دینے والا شور' گرمی' حبس' فضا میں تیرتے ہوئے مٹی کے ان گنت ذرات۔ کسی کے چہرے پر بھی سچی مسکراہٹ نظر نہیں آتی۔ "شاید بھری دنیا میں کوئی بھی خوش نہیں' مطمئن نہیں۔" میں نے سوچا۔

حالانکہ تمام لوگ صرف اپنی خوشی کے لیے ہی تو سب کچھ حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ "یہ ہنگامے' شور' شرابا' ڈاکے چوریاں۔ محنت شہرت دولت" یہ سب کچھ خوشی کی خواہش ہی کی پیداوار ہیں۔ پھر لوگ خوش کیوں نہیں رہتے؟" میرے ذہن میں الجھن سی تیر گئی۔

"ٹن" میں نے گھنٹی پر ہاتھ مارا اور چپڑاسی دین محمد چراغ کے جن کی مانند ظاہر ہوا۔ میں نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بوکھلا گیا۔ "بیٹھ جاؤ" اس دفعہ میں نے سرد لہجہ میں حکم دیا تو وہ ہچکچاتا ہوا کرسی پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے ابھی اٹھ کر بھاگنے کی فکر میں ہو۔

چپڑاسی دین محمد بائیس سال سے ملازمت کر رہا تھا اور اب ریٹائرمنٹ کے قریب تھا۔ جھریوں نے اس کے چہرے پر ابھی سے جال بننے شروع کر دیئے تھے۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا وہ خوش ہے؟ جبکہ وہ چہرے پر بدحواسی طاری کیے میز پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

"ادھر دیکھو دین محمد۔" میں نے اس دفعہ نرمی سے کہا۔ "میرے ایک سوال کا جواب دو گے؟" اس کے چہرے پر ایک لمحہ کے لیے زردی چھا گئی پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہوں" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "کیا تم اپنی زندگی سے خوش ہو؟" میرے عجیب سوال نے اسے بوکھلا دینے کی بجائے حیرت زدہ کر دیا۔

"جی ہاں۔" اس نے کھنکار کے کہا... "میں بالکل خاموش ہوں۔"

اس دفعہ حیران ہونے کی باری میری تھی "کیا تم بالکل خوش ہو؟" بالکل؟"

"جی ہاں وہ دبے دبے سے لہجے میں بولا۔ اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے' بس ایک ہی خواہش ہے کہ میرے بچے پڑھ لکھ جائیں اور میں اپنا کوئی مکان بنا لوں۔"

"اوہ"..... میرے منہ سے ایک طویل سانس نکلی' "تم جا سکتے ہو" دین محمد کرسی سے اٹھا اور مجھے حیرت سے گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔

"ہوں تو خواہش نے یہاں بھی خوشیوں کا خون کر دیا اور دین محمد جوانی میں ہی بوڑھا ہو گیا۔ لیکن میں ہمت نہیں ہاروں گا۔ میں کوئی ایسا انسان ضرور تلاش کروں گا جو بالکل خوش ہو۔

خواہشات سے پاک اور یہ تلاش مجھے ابھی سے شروع کر دینی چاہیے۔" میں نے اپنا استعفیٰ ٹائپ کروا دیا اور پھر اپنے چیف کے پاس پہنچا۔

عظیم صاحب پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہمارے ادارے کے سربراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حقیقی معنوں میں انہیں دولت اور شہرت سے مالا مال کیا ہوا تھا انہیں کسی بھی چیز کی کمی نہیں تھی۔ وہ مجھے اپنے سامنے دیکھ کر ششدر رہ گئے۔

"خیر تو ہے مسٹر شاہد؟ انہوں نے ایک فائل دیکھتے ہوئے سوال کیا۔"

"یس سر۔ لیکن میں آپ سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں؟" میں نے جھجکتے ہوئے کہا تو انہوں نے چونک کر سر اوپر اٹھایا۔

"کہو کیا بات ہے؟" ان کے چہرے پر ناگواری کا ہلکا سا تاثر تھا۔

"سر۔ کیا آپ اپنی زندگی سے مطمئن ہیں؟" میں نے جلدی سے سوال داغ دیا۔ میرا عجیب و غریب سوال سن کر ایک لمحے کے لیے ان کے چہرے پر شکنیں پڑ گئیں لیکن پھر وہ مسکراتے ہوئے بولے "اچھا تو سروے ہو رہا ہے۔ میں بالکل مطمئن ہوں لیکن ایک خواہش ہے کہ کسی طرح ہمارا حمایت یافتہ امیدوار انتخابات میں کامیاب ہو جائے اور اس کے وزیر اعظم بننے کی صورت میں ہمیں ٹیکس کی چھوٹ مل جائے۔" میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ہمارے ملک کا امیر ترین آدمی بھی ناخوش تھا۔

"تو پھر خدا حافظ سر۔" میں نے جذبات سے عاری آواز میں کہا "میرا یہ استعفیٰ قبول کر لیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا! باس نے حیران ہو کر پوچھا۔" بس سر ایک خاص وجہ ہے اور اگر آپ مجھے پاگل نہ سمجھیں تو بتائے دیتا ہوں۔ میں خوشی کی تلاش میں جانا چاہتا ہوں۔"

"خوشی کی تلاش!" ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کی قریب ہو گئیں۔ "میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"سر اس دنیا میں آپ سے لے کر چپڑاسی دین محمد تک کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ میں کسی ایسے انسان سے ملنا چاہتا ہوں جو ہر حال میں خوش ہو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ایک مطمئن شخص کیسا ہوتا ہے اور بس۔"

"میں سمجھ گیا! تو پھر سچ سن لو میں اپنی زندگی سے بالکل غیر مطمئن ہوں۔ بے خوابی'

itsurdu.blogspot.com

اعصابی بے چینی اور ذہنی انتشار کے باعث تمام تر آسائشوں سے نفرت کرتا ہوں کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ کاش میں کوئی غریب کسان ہوتا لیکن وہ بھی تو مطمئن نہیں ہے۔ تم جاؤ میری تمام دعائیں تمہارے ساتھ ہیں لیکن تم ایک شرط پر جاسکتے ہو۔"

"شرط!" میں نے حیرت سے کہا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں نے کافی عرصہ قبل ایک روایت سنی تھی کہ اگر کسی مطمئن قانع اور خوش شخص کی قمیض پہن لی جائے تو تمام الجھنیں اور دکھ غائب ہوجاتے ہیں۔ پلیز تم میرے لیے اس شخص سے قمیض لیتے آنا۔ چاہے اس کے لیے لاکھوں روپے ادا کرنے پڑیں۔ میری اس سوچ پر قہقہے نہ لگانا انسان چاہے مریخ پر ہی نہ پہنچ جائے وہ سہارے ڈھونڈتا رہتا ہے۔ اب تم جاؤ استعفیٰ دینے کی ضرورت نہیں، میں تمہارا منتظر رہوں گا۔" عظیم صاحب نے تمام تر تکلفات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا اور میں استعفیٰ جیب میں ڈال کر انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا۔

میرے سامنے ریگستان پہاڑ دریا میدان پھیلے ہوئے تھے اور ان میں بسنے والے انسان مجھے چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ بالکل کسی روبوٹ کی مانند حرکت کرتے ہوئے ان کے چہرے پر زندگی کی بہت معمولی سی رمق ان کے انسان ہونے کا پتہ دے رہی تھی اور مجھے انسانوں کے اس سمندر میں کسی خوش مطمئن اور قانع شخص کی تلاش تھی اور کون جانتا تھا کہ یہ تلاش کتنی لمبی ہوگی۔ سب سے پہلے میری نگاہ ایک لنگڑے فقیر پر پڑی جو کشکول ہاتھ میں تھامے صدا لگا رہا تھا۔ میں نے پانچ روپے کا نوٹ کشکول میں ڈال دیا۔

"بابا ایک سوال کا جواب دو گے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"ایک نہیں ہزار پوچھو موتیوں والی سرکار۔" وہ میری فیاضی سے خوش ہوکر بولا۔

"مجھے بتاؤ کہ کیا تم اپنی زندگی سے خوش ہو معذور ہونے کے باوجود؟"

"ہاں بابا فقیر تو خوش ہوتا ہے ہر حال میں ٹھوکریں کھانے کے باوجود.... لنگڑا لولا ہونے کے باوجود.... بس کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ اگر لنگڑا ہونے کے ساتھ اندھا بھی ہوتا تو پھر بڑے عیش ہوتے خوب کمائی ہوتی؟" میں مایوس ہوکر آگے بڑھ گیا۔

چلتے چلتے میرا گزر ایک باغ میں سے ہوا جہاں ہمہ قسم پھلدار درخت خوب بہار دکھا رہے تھے۔ میں نے باغ کے مالک کے چہرے پر چھائی ہوئی مسکراہٹ دیکھی اور رک گیا مجھے دیکھ کر

اس کے چہرے پر دگنی رونق آگئی اور والہانہ انداز میں میرے استقبال کے لیے بڑھا۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں اپنی منزل پاچکا ہوں۔

"پیارے بھائی کیا تم ہمیشہ یونہی خوش رہتے ہو؟" میں نے حیرت سے دریافت کیا۔

ہاں میں ہمیشہ خوش رہتا ہوں وہ کھلکھلایا۔ لیکن کاش۔ اس کی آنکھوں میں غم کے سائے نظر آئے۔ کاش موسم خزاں کبھی نہ آتا درخت ہمیشہ ہرے بھرے رہتے پرندے چہچہاتے رہتے۔ اے کاش۔ میں مایوس ہوکر آگے بڑھ گیا۔

اس دفعہ میرا گزر ایک بادشاہ کے سامنے سے ہوا جو ایک انتہائی عظیم الشان دربار لگائے بیٹھا تھا۔ درباری اس کی تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے۔ وہ مسخرے کی حرکتیں دیکھ کر قہقہے لگا رہا تھا میں نے سوچا اس شخص کو کسی چیز کی کمی نہیں اور جس طرح یہ قہقہے لگا رہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے دنیا بھر کی خوشیاں میسر ہیں۔ میں نے جان کی امان پاکر اپنے سوال دہرایا تو وہ یکلخت افسردہ ہوگیا۔

"اجنبی۔ ہمیں دنیا کی ہر آسائش میسر ہے لیکن کاش ہمارا کوئی بیٹا ہوتا جسے ہم اپنا ولی عہد بنا سکتے۔ کاش ہمارا کوئی بیٹا ہوتا۔"

پھر میں ایک کسان کے سامنے سے گزرا جو لہک لہک کر گیت گا رہا تھا ہل چلا رہا تھا اور مسکرائے جارہا تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہی دنیا کا خوش قسمت ترین شخص ہے میں نے حسب معمول اس کے سامنے سوال دہرایا تو وہ رک گیا۔

"ہاں تم سچ کہتے ہو بالکل خوش رہتا ہوں۔ اپنی ذات سے متعلق کچھ بھی سوچ کر اداس نہیں ہوتا ہر وقت خوشی کے گیت گاتا رہتا ہوں لیکن کبھی ایک خواہش مجھے افسردہ کردیتی ہے کہ کاش اس دنیا میں موت نہ ہوتی تو یہ دنیا کتنی حسین ہوتی؟ میں آگے بڑھ گیا۔

مسلسل ناکامیوں کے باوجود میں نے اپنی تلاش جاری رکھی۔ پہاڑوں میدانوں، ریگستانوں کو چھان مارا لیکن اپنا گوہر مقصود نہ پاسکا۔ آخر کار میں تھک ہار کر ایک چٹان کے نیچے جا بیٹھا جہاں کافی اندھیرا چھایا ہوا تھا میں بے اختیار بڑبڑایا۔

"زندگی میں کس قدر تکلیف ہے، کس قدر تاریکی ہے۔"

"نہیں میرے دوست! زندگی تو روشنی ہی روشنی ہے۔ قصور تو دیکھنے والے کی آنکھوں کا ہوتا ہے زندگی خوشی ہے، گیت ہے، آسودگی اور بس۔" مجھے اپنے قریب سے آواز سنائی دی

itsurdu.blogspot.com

میں نے آنکھیں پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھا وہاں ایک اور شخص موجود تھا مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں نے اپنا مدعا پالیا ہو۔ "کیا تم ہمیشہ خوش رہتے ہو' کوئی خواہش تمہیں اداس نہیں کرتی؟" میں نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "ہاں ہمیشہ خوش رہتا ہوں' خوش قانع اور مطمئن زندگی کی رگوں سے مسکراہٹ کشید کرتا ہوں۔ وہ زور سے ہنسا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں خوشی سے پاگل ہوگیا ہوں۔ میں تیزی سے اس کے قریب سرک گیا "تو پھر خدا کے لیے اپنی قمیض دے کر مجھے خوشی دے دو۔" میں ایسا ضرور کرتا لیکن .... میری درخواست سن کر وہ بڑبڑایا۔

"لیکن کیا؟ خدا کے لیے میری مدد کرو۔" اور پھر جیسے ہی میں نے اپنا ہاتھ اس کے جسم سے لگایا تو سکتے میں رہ گیا مطمئن قانع اور خوش شخص کے جسم پر قمیض ہی نہیں تھی۔

سنہری باتیں

☆ خوش اخلاقی سے پیش آنا بھی ایک صدقہ ہے۔
☆ دوستوں کو نصیحت تنہائی میں اور ان کی تعریف محفل میں کرنی چاہیے۔
☆ اگر کسی کو آرام دینے کی توفیق نہیں تو تکلیف بھی نہ دو۔

جاوید علی چمکنی

اقوال زریں

☆ اچھے لوگوں کی یہ پہچان ہے کہ وہ کسی کو برا نہیں کہتے۔
☆ اگر خوش رہنا چاہتے ہو تو ہمیشہ دوسروں کو خوش رکھو۔
☆ دولت کے بھوکے کو کبھی دلی سکون میسر نہیں آتا۔

محمد اعظم دیدگ' تربت

اقوال زریں

○ انسان کی قدر و قیمت دو چھوٹی چیزوں سے ہے اس کا دل اور زبان۔
○ کتنے عظیم ہوتے ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی غلطیاں معاف کردیتے ہیں۔
○ تکبر علم کا دشمن ہے اور غصہ عقل کا۔
○ صبر سب سے بڑی دعا ہے۔
○ علم ایک ایسا لباس ہے جو کبھی پرانا نہیں ہوتا۔

چوہدری توقیر طاہر' بگھر بار

بلو بینڈ Blue Band

ڈیئر کے سارے رنگ
پیارے پیارے رنگ برنگ
بچوں کے لئے ڈیئر کے دلکش رنگوں کی رنگ برنگ دُنیا . . .
ڈیئر کلرنگ پنسلز، پوسٹر کلرز، کریون اسٹکس، واٹر کلرز،
واٹر کلر ٹیوبس اور ہمبو کریونز۔
Deer
انڈس پنسل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی۔
FOURAYS

itsurdu.blogspot.com

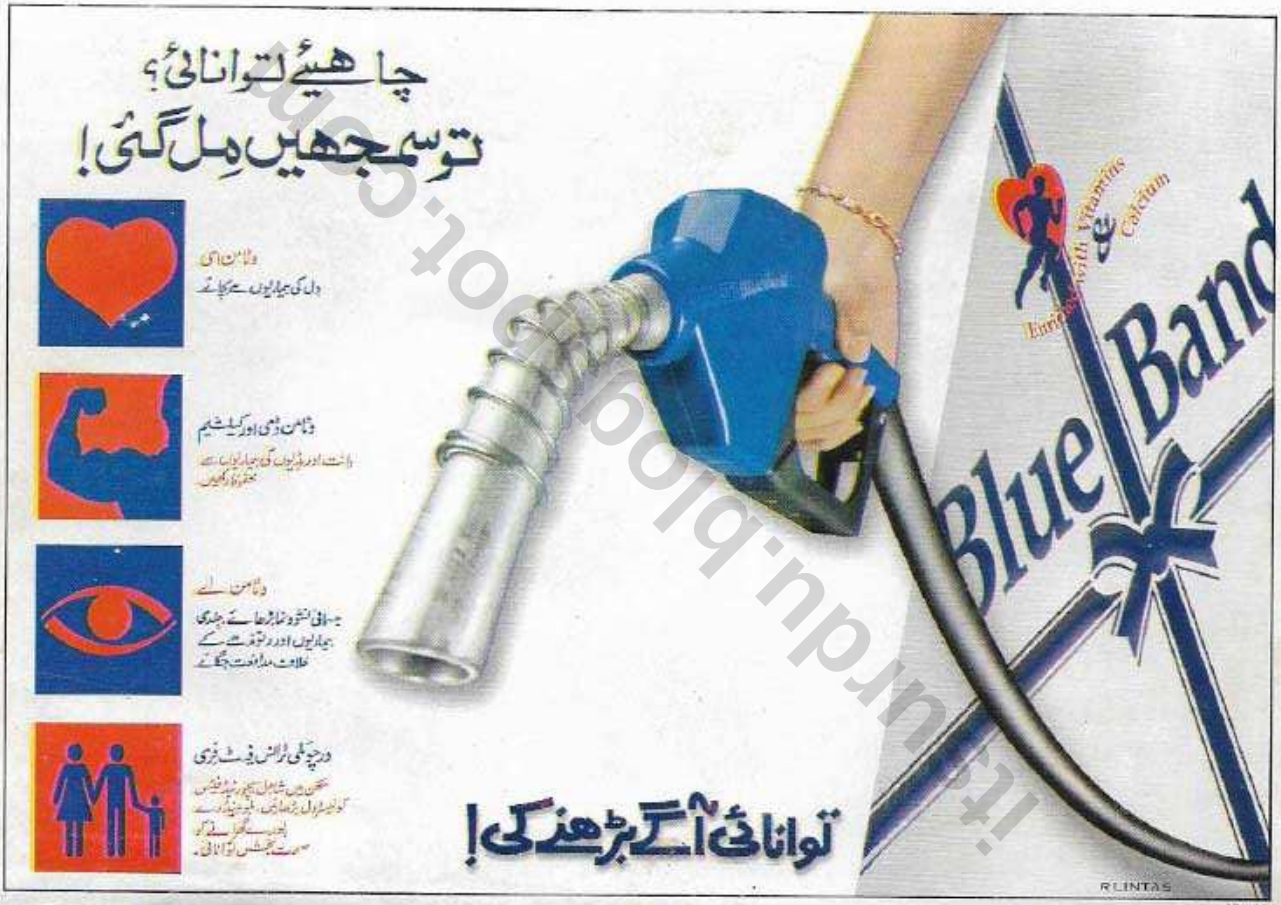

itsurdu.blogspot.com